امام ترمذیؒ

(سوانح و تصانیف)

امتیاز احمد سعید

مکتبہ عثمانیہ

۱۹- اُردو بازار ـــــــ لاہور

مصنف

امتیاز احمد سعید

تعلیمی استعداد

ایم اے (علوم اسلامیہ)
ایم اے (عربی)، بی ڈی

تدریسی تجربہ

۱۲ سال

شغل

استاذ شعبہ علوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج - لاہور

و

جز وقتی استاذ شعبہ علوم اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی

تصانیف

۱- اربعین نووی
(ترجمہ و تشریح)
۲- دینی تعلیمات
۳- رہنمائے اسلامی نظریہ حیات
۴- تدریس اسلامیات
۵- امام ترمذی رح
(سوانح و تصانیف)

طبع ——— اوّل
تعداد ——— ایک ہزار
تاریخ اشاعت ——— جنوری ۱۹۷۲ء
طابع ——— محمد ادریس
ناشر ——— مکتبہ عثمانیہ
۱۹ انگور بازار لاہور
مطبع ———
کتابت ——— آفتاب برادرز لاہور
قیمت ——— ۵۰/۶ روپے

ترتیب

باب	عنوان	صفحہ
	حصہ اوّل۔ سوانح امام ترمذی رح	
اوّل	وطن ترمذی رح۔ الترمذ	۱۱
دوم	عصر ترمذی رح	۳۰
سوم	نام نسب ولادت	۳۴
چہارم	ا۔ شیوخ واساتذہ	۴۶
	ب۔ علوم اسلامیہ کی طلب میں رحلت	۵۴
پنجم	ا۔ وفات	۶۰
	ب۔ تلامذہ	۶۳
	ج۔ فقہی مسلک	۶۸
ششم	ا۔ فضائل ومناقب	۷۵
	ب۔ امام ترمذی رح کے متعلق اکابر علماء کی آرا	۸۲
	حصہ دوم۔ تصانیف امام ترمذی رح	
ہفتم	تصنیف وتالیف	۹۱
ہشتم	ا۔ الجامع الترمذی	۹۵
	ب۔ جامع ترمذی کی شروح وحواشی	۱۱۸
	ج۔ جامع ترمذی کے فضائل ومحاسن	۱۲۵
نہم	شمائل ترمذی اور اس کی شروح	۱۴۴
دہم	دیگر تصانیف	۱۵۳
	کتابیات	۱۵۷

انتساب

ان بزرگ ہستیوں کے نام

جنہوں نے

خدمت حدیث میں اپنی زندگیاں

صرف کیں،

پیش لفظ

کسی کی سرگزشت یا تذکرہ لکھنے کی غرض وغایت عام طور پر یہ خیال کی جاتی ہے کہ اس کے پڑھنے والوں میں زندگی کے نشیب و فراز کا احساس پیدا ہو، اور آنے والی نسلیں اس کے مطالعہ سے عبرت پذیر ہو کر ان غلطیوں سے بچیں جن سے ان کو بچنا ضروری ہے۔

لیکن اس عام غایت کے علاوہ ان متقدر راہنماؤں اور علمائے دین کے تراجم کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ ان کے حالات زندگی پڑھنے سے مخلوق خدا کے دلوں میں ان کی پیروی کا خیال اور ان کے نقش قدم پہ چلنے کا احساس پیدا ہو۔ آنے والی نسلیں انہیں پڑھ کر اپنا چال چلن، رفتار، کردار، عادات، خصائل، اعمال انہی کے سے بنائیں جن کو خدا تعالےٰ نے دنیا میں نیکی کا نمونہ بنا کر بھیجا تھا۔ اور جن کی تخلیق سے عالم میں توحید کی اشاعت اور دین فطرت کی تعلیم و تبلیغ کرنا، خالق و مخلوق کے تعلق سے آشنا کرنا اور آخرت کی یاد دلانا مقصود تھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں امن و امان قائم رہے، بنی نوع انسان کی ترقی ہو، مخلوق امن و چین سے خالق کی اطاعت بجا لائے، دنیا میں ادجِ کمال تک پہنچے اور آخرت میں جو اس کا ملجا و ماویٰ ہے، اچھے مدارج پائے۔ غرض دینی و دنیاوی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا اس کا مقصد ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ مستند، قابل اعتبار اور نتیجہ خیز سوانح عمری لکھنے کی تعلیم اوّل اوّل قرآن پاک نے دی۔ اسی قرآنی تعلیم کے زیر اثر آج کثرت

سے قابلِ اعتبار اور مستند سوانح عمریاں نظر آتی ہیں ۔ قرآنی تعلیم سے پہلے کوئی بھی سوانح عمری ایسی نظر نہیں آتی جو مستند مانی جاتی ہو بلکہ نزولِ قرآن سے قبل کی لکھی گئی سوانح عمریاں بالکل بے اعتبار اور ہزاروں اغلاط سے مملو ہیں ۔ قرآنِ حکیم نے ہم کو نہ صرف مستند اور سچی سوانح عمری لکھنی سکھائی بلکہ اس کی غایت بھی بتائی اور یہ بھی تعلیم دی کہ خدا کی غیر محدود مخلوق میں ہر شخص اس قابل نہیں کہ اس کی سوانح عمری یا سرگذشت لکھی جائے ۔ بلکہ اس کے لائق خدا کے چیدہ بندے ہوا کرتے ہیں ۔ تنقید بھی سوانح حیات کا ایک حصّہ ہے ۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ اور حضرت یونسؑ کے حالات سے واضح ہوتا ہے ۔

قرآنِ حکیم میں ایک جگہ کئی نبیوں کا ذکر کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے : " فبھداھم اقتدہ " ان الفاظ میں سوانح حیات کی غایت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے ۔ عام لفظوں میں اُمت مسلمہ کو مخاطب کر کے فرمایا " لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ " یعنی سیرتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں تمہارے لئے ایک اچھا نمونہ ہے ۔ اس حکم خداوندی نے مسلمانوں پر پیغمبرِ خدا کے حالاتِ زندگی اور سیرت کا جمع کرنا ، اس کا جاننا اور اس کی پابندی کرنا لازم کر دیا ۔ اسی عام حکم کی بنا پر محدثین کرامؒ نے کمال جانفشانی اور انتہا درجہ کی سعی سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری اور حالاتِ زندگی کو معتبر سندوں سے جمع کر دیا ۔ اگر محدثین کی جان توڑ مساعی نہ ہوتیں تو آج ہم حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحیح حالاتِ زندگی سے محروم رہتے اور ارشاد مذکور کی تعمیل سخت مشکل ہوتی ۔

محدثین کی کوششیں یہیں تک محدود نہ تھیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور آپؐ کے جانشینوں کی بھی سوانح عمریاں بحکم " علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین " جمع کر دیں اور آگے ترقی کر کے

آپ صلعم کے تمام صحابہؓ کی سوانح عمریاں لکھ ڈالیں۔ پھر اور آگے بڑھ کر تابعینؒ کے حالات ضبط کیے اور اسی طرح تبع تابعین، بعد کے علماء، فقہا اور خود محدّثین بلکہ دیگر بزرگانِ دین کے حالاتِ زندگی قلم بند ہوتے رہے۔ محدّثین کی بدولت اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے۔ "علم رجال پر مسلمان جتنا فخر کریں بجا ہے۔ نہ ایسی کوئی قوم گزری اور نہ اب ہے جس نے مسلمانوں کی طرح بارہ سو برس تک کے علماء کے حالاتِ زندگی لکھے ہوں۔ ہم کو پانچ لاکھ مشہور عالموں کا تذکرہ ان کی کتابوں سے مل سکتا ہے۔"

محدّثین کی جماعت میں امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خصوصیت و درجہ حاصل ہے اس سے کون واقف نہیں؟ امام ترمذیؒ ان بابرکت ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے احادیث نبوی صلعم کو جمع کرنے میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ امام ترمذیؒ نے نہ صرف صحیح احادیث رسول صلعم کو ہی جمع کیا بلکہ خصائل و شمائل نبوی صلعم کے جمع کرنے کا بھی التزام بڑے اہتمام سے کیا۔ اس مہتم بالشان کام کے لئے امام نے اپنی زندگی، دولت، آسائش، آرام سب وقف کر دیئے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں امام فی الحدیث اور حافظِ حدیث کے القاب سے ملقّب کیا گیا۔ اور ان کی پرکھی ہوئی حدیثوں اور جانچے ہوئے راویوں پہ حد درجہ وثوق کیا گیا اور ان کی مشہور کتاب "الجامع الصحیح" کو کتبِ احادیث میں دوسرے درجہ کی کتاب شمار کیا گیا اور صحاح ستہ میں تیسرا مقام دیا گیا ہے۔

امام ترمذیؒ نے خود جفاکشی، محنت، علو ہمتی، استغنا، حزم و احتیاط، صدق و دیانت، تقویٰ، عدل و انصاف، خدمتِ خلق، اور اشاعتِ علوم کی مجسم تصویر بن کر دنیا کو نمونہ دکھا دیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اتباعِ سیرتِ رسول صلعم میں اپنے کو فنا کر کے اہل اسلام کو اتباعِ سیرت

رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ نمونہ پیش کر دیا جو خلفائے راشدین رض اور صحابہ کرام رض کی یاد تازہ کرتا تھا۔

لیکن یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ امام ترمذی رح جیسی بابرکت اور بلند و بالا شخصیت کی سوانح عمری پر عربی، فارسی، اردو وغیرہ کسی زبان میں بھی کوئی باقاعدہ تصنیف موجود نہیں۔ کتب رجال اور دیگر حوالہ کی کتابوں میں بھی امام کے حالاتِ زندگی انتہائی مختصر طور پر ملتے ہیں اور اس اہم کام کے لئے جس قدر مواد درکار ہے وہ فراہم نہیں ہوتا۔

"امام ترمذی رح حیاتہٗ و تصانیفہ" کے عنوان پر مقالہ لکھنا میرے ذوق کے عین مطابق تھا لیکن اس سلسلہ میں اپنی بے بضاعتی اور مواد کی قلت کسی طرح اس طرف قدم بڑھانے کی اجازت نہیں دیتی تھی تاہم کچھ اپنے ذوق نے اور زیادہ تر استاذِ محترم پروفیسر عبدالقیوم بٹ صاحب کی حوصلہ افزائی اور مشفقانہ سرپرستی کے باعث میں اس مقالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس مقالہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محدثین اور مؤرخین محققین کی تالیفات سے لیا گیا ہے جو تنقید الرجال اور تحقیق الروایات کے بانی تھے اور صحیح و غلط میں امتیاز کے اصول قائم کرنے والے تھے۔ یقیناً امام ترمذی رح ایسے شخص کی سوانح عمری یا حالاتِ زندگی قلمبند کرنا جن کے اجتہاد اور تبحرِ علمی کا عالم میں غلغلہ ہو۔ جن کی صداقت و دیانت جن کی اعجاز نما قوتِ حافظہ، جن کی دقتِ نظر اور نکتہ سنجی کا تمام عالم میں چرچا ہو، جن کی تصنیف نے کتاب الصحیح کا رتبہ حاصل کیا ہو، جن کی تالیف پر عمل کرنے والے لاتعداد ہوں، کس قدر مشکل اور اہم ہے۔ اس کے لئے جیسے دل و دماغ، وسعتِ نظر، کثرتِ اطلاع اور ثاقب رائے کی ضرورت ہے ظاہر ہے۔ "من آنم کہ من دانم" خدا تعالےٰ کا احسان ہے کہ اس نے

اس بارِ گراں سے سبکدوش ہونے کی مجھے توفیق عطا فرمائی ۔

میں مکرّر بار اپنی بے بضاعتی اور عاجزی کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے اُستادِ مکرّم مذکور کا بھی ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اپنی گوناگوں مصرُوفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت میرے لئے صرف کر کے اس مقالہ کی تکمیل میں میری سرپرستی فرمائی ۔ نیز میں اپنے ان احباب کا بھی شکرگذار ہُوں جنہوں نے کسی نہ کسی صورت میں اس مقالہ کے سلسلے میں میری اعانت کی ۔

امتیاز احمد سعید

وطنِ ترمذیؒ۔ الترمذ

محل وقوع

امام ترمذیؒ کا وطن شہر ترمذ ہے جو آمو دریا جس کو جیہوں اور نہر بلخ بھی کہتے ہیں کے شمالی کنارے پر دریائے سرخان کے دہانے کے قریب بلخ سے چھ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ لفظ ماوراء النہر میں بھی نہر سے بیشتر یہی نہر یعنی آمو دریا مراد لی گئی ہے۔ ترمذ صوبہ صغانیاں کا اہم ترین شہر تصور کیا جاتا ہے۔ اس شہر کے محل وقوع کو مشہور جغرافیہ دان لسٹرینج د ا نے یوں بیان کیا ہے:۔

"To the westward of the Wakhsh river, and bounded on the south by the Oxus", lay the district the Arabs named Saghaniyan, ...The most important town however, of the Saghaniyan district was tirmed (or At- Tirmidth), north of the passage of the The Oxus coming from Balkh, and at the place of junction of the Zamil river".

دریائے وخش سے مغربی سمت میں اور جنوب کی طرف سے دریائے جیہوں یا آمو دریا سے گھرا ہوا وہ ضلع ہے جسے عرب صغانیان کہتے ہیں ..... ضلع صغانیاں کا سب سے اہم شہر ترمذ (یا الترمذ) تھا جو کہ دریائے جیہوں کے بلخ سے آتے ہوئے شمالی کنارے پر دریائے زامل سے اتصال کے مقام پر واقع ہے۔[1]

---

[1] لسٹرینج: دی لینڈ آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ ۔

اُردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ترمذ کا جغرافیائی محل وقوع یوں بتایا گیا ہے :-

" یہ شہر آمو دریا کی بالائی گذرگاہ پر بلخ سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر گرینیچ سے تقریباً ۳۷ درجے عرض بلد شمالی اور ۶۷ درجے طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ "[1]

سمعانی نے اس شہر کے جائے وقوع میں ذیل کے الفاظ تحریر کئے ہیں جنہیں ابن الاثیر نے بھی نقل کیا ہے :-

" الترمذی هذه النسبة الی مدینة قدیمة علی طرف نهر بلخ الذی یقال له جیحون "

(الترمذی کی نسبت اس قدیم شہر کی طرف ہے جو دریائے بلخ سے ، جسے جیحون بھی کہتے ہیں کے کنارے پر واقع ہے)[2]

یاقوت نے اس کو یوں بیان کیا ہے :-

" وترمذ مدینة مشهورة من امهات المدن، راکبة علی نهر جیحون من جانبه الشرقی، متصلة العمل بالصغانیان "

(ترمذ بڑے بڑے شہروں میں سے مشہور شہر ہے جو دریائے جیحون کے کنارے پر مشرقی سمت میں صغانیان سے متصل واقع ہے)[3]

ابن خلکان نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے :-

" سألتُ من رآها : هل هی فی ناحیة خوارزم ، ام فی ناحیة ما وراء النهر؟ فقال بل هی فی حساب ما وراء النهر من ذالک الجانب "

---

[1] اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام : آرٹیکل " الترمذی "۔

[2] السمعانی : کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶ ، ابن الاثیر : اللباب فی تهذیب الانساب جلد ۱ صفحہ ۱۷۴ ۔

[3] یاقوت حموی : معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ ۔

"میں نے اس شخص سے دریافت کیا جس نے اسے دیکھا تھا کہ کیا وہ خوارزم کی جانب ہے یا ماوراء النہر کی جانب؟ تو اس نے کہا بلکہ وہ اس طرف سے ماوراء النہر کے علاقہ میں واقع ہے) [۱]

صاحب قاموس یوں رقمطراز ہیں :-

"آسیای وسطیدہ بخارا خانلغنک قسم جنوبیسندہ و جیحونک شمالندہ اولہ ورق - نہر مذکورک تا بعلرندن دسُرخ آب) لک کنارندہ بر کوچک قصبہ اولوب، بخارا انک ۳۸۰ کیلومترہ جنوب شرقیسندہ و بلخک ۸۰ کیلومترہ شمال شرقیسندہ واقعدر۔"

(وسطی ایشیا میں بخارا کے خان کے علاقے کے جنوبی حصہ میں اور جیحوں کے شمال میں واقع ہے - یہ دریائے جیحوں کے معاونین میں سے سرخاب کے کنارے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور بخارا سے ۳۸۰ کیلومیٹر جنوب شرق میں اور بلخ سے ۸۰ کیلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے) [۲]

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے لکھا ہے :

"ترمذ نام شہر قدیم بر کنارہ آب امویہ کہ آنرا جیحون و نہر بلخ نیز گویند و در لفظ ماوراء النہر مراد ہمیں نہر مے باشد ۔"

(ترمذ ایک پرانے شہر کا نام ہے جو دریائے آمو جسے دریائے جیحوں و نہر بلخ بھی کہتے ہیں کے کنارے واقع ہے اور لفظ ماوراء النہر سے یہی نہر مراد ہے) [۳]

لفظ ترمذ کا تلفظ

ترمذ کے تلفظ میں بہت اختلاف ہے بعض تاء اور میم کو مفتوح کہتے ہیں اور بعض دونوں کو مضموم - ایک جماعت تاء کو فتح اور م کو کسرہ دیتی ہے لیکن خود وہاں کے

---

[۱] ابن خلکان : وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۵۷۹ ۔

[۲] الزرکلی : قاموس الاعلام عنوان "ترمذ" ۔

[۳] شاہ عبدالعزیز دہلوی : بستان المحدثین صفحہ ۱۰۸ ۔

لوگوں اور نیز دوسرے اشخاص کی زبان زد ان دونوں کا کسرہ ہے اور یہی مشہور ہے۔

سمعانی جو اس جگہ بارہ روز تک رہا اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ خود شہر میں اس کا تلفظ تِرْمِیْذ ہے۔ جس سے تِرْمِذ کا گمان ہوتا ہے سمعانی کے الفاظ ۔۔۔ جنہیں ابن الاثیر نے بھی نقل کیا ہے یہ ہیں :۔

"والناس مختلفون فی کیفیۃ هذه النسبة بعضهم یقول بالفتح التاء المنقوطه معطتین من فوق و بعضهم یقول بکسرها والمتداول علی لسان تلك البلدة وکنت اقمت بها اثنی عشر یوما فتح التاء والذی کنا نعرفه قدیما بکسر التاء والمیم جمیعا والذی یقوله المتنون واهل المعرفة بضم التاء والمیم وکل واحد یقول معنی لما یدعیه۔"

"اور لوگ اس نسبت کی کیفیت میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض تائے منقوطہ کی فتح کے ساتھ کہتے ہیں اور بعض کسرہ سے۔ اور میں وہاں بارہ یوم ٹھہرا تھا۔ اس شہر والوں کی زبان پر تاء کی فتح سے رائج پایا۔ اور ہم قدیم سے جانتے ہیں کہ تاء اور میم دونوں کے کسرہ سے ہے اور اہل علم و دانش تاء اور میم کے ضمہ سے کہتے ہیں اور ہر ایک شخص اپنی اپنی الگ کہتا ہے[1]"

ابن العماد حنبلیؒ نے اس بارے میں لکھا ہے :۔

"وفیها ثلاثة اقوال: الاول فتح التاء وکسر المیم و هو المتداول بین اهلها والثانی کسرها والثالث ضمها قال وهو الذی یقول اهل المعرفة۔"

"اور اس میں تین اقوال ہیں۔ پہلا تاء کے فتحہ اور میم کے کسرہ سے اور

---

[1] السمعانی : کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶ — ابن الاثیر: اللباب فی تہذیب الانساب جلد ۱ ۔ صفحہ ۱۷۴

وہاں کے رہنے والوں میں رائج ہے، اور دوسرا دونوں کے کسرہ سے اور تیسرا دونوں کے ضمہ سے اور یہ اہل علم کہتے ہیں)[1]

حافظ ذہبیؒ یوں رقمطراز ہیں :-

قال شیخنا ابن دقیق العید: وترمذ بالکسر هو المستفیض علی الالسنة حتی یکون کالمتواتر۔"

(ہمارے شیخ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ ترمذ کسرہ سے ہے اور یہ زبان زد عام ہے یہاں تک کہ متواتر ہو گیا ہے)[2]

شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی نے تحریر کیا ہے :-

"در لفظ ترمذ اختلاف بسیار است بعضے تا و میم را مفتوح سازند و بعضے ہر دو را مضموم و متداول بر زبان مردم آنجا و دیگر خلائق کسر ہر دو است و جماعہ بفتح تا و کسر میم تکلم کنند۔"

(لفظ ترمذ میں بہت اختلاف ہے بعض تا اور میم کو مفتوح کہتے ہیں اور بعض ہر دو کو مضموم اور وہاں کے لوگوں اور دوسرے اشخاص کی زبان پہ دونوں کا کسرہ رائج ہے اور ایک جماعت تا کے فتحہ اور میم کے کسرہ سے کلام کرتی ہے)[3]

تاریخ ترمذ

شہر ترمذ کی تاریخ "اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں یوں بیان کی گئی ہے :-

"ترمذ کا شہر بہت قدیم ہے۔ اس کی بنیاد سکندر اعظم سے منسوب کی گئی ہے۔ اگرچہ معلوم یہی ہوتا ہے کہ ترمذ میں سکندر اعظم نہیں پہنچا اور نہ ہی قدماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔ بقول حافظ ابرو نہ صرف ترمذ بلکہ بُرد و غوسی

---

[1] ابن العماد حنبلی: شذرات الذهب جلد ۲ صفحہ ۱۷۴۔

[2] حافظ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۸۔

[3] شاہ عبدالعزیز دہلوی: بستان المحدثین صفحہ ۱۸۰۔

بھی جو اسی دریا (آمو) کے کنارے واقع ہے اور ترمذ سے تقریباً چھ فرسخ
کے فاصلے پر ہے سکندر ہی نے تعمیر کرایا تھا۔ کہتے ہیں کہ بُردا غوشی ایک
یونانی لفظ ہے بمعنی "خان" (مہمان خانہ)

اسلامی فتوحات کے زمانے میں ترمذ میں بدھ مذہب کا دور دورہ تھا۔
اس وقت یہاں بارہ صومعے ( ) اور ایک ہزار
بھکشو موجود تھے اور ترمذ ایک بہت بڑے حکمران کے ماتحت تھا جس کا لقب
ترمذ شاہ تھا۔ دریا کے کنارے ایک مستحکم قلعہ تھا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان
کے عہد میں ۷۰ھ بمطابق ۶۸۹-۹۰ء کے اواخر میں ترمذ کو موسیٰ بن عبداللہ
بن خازم نے فتح کیا۔ جس نے حکومت اسلامیہ سے بغاوت کر کے اس مقام پر
پندرہ سال تک خودسرانہ حکومت کی۔ کہیں ۸۵ھ بمطابق ۷۰۴ء کے اواخر
میں عثمان بن مسعود نے قلعہ کے گورنر المفضل بن المہلب کے حکم سے یہ شہر فتح
کر کے حکومت کے حوالے کیا۔ اس لڑائی میں اور بعد کے محاصروں میں پل
بنانے کے سلسلے میں جزیرۂ ترمذ کو جسے عربوں کے عہد میں جزیرۂ عثمان کہتے
تھے بہت اہمیت حاصل تھی۔ عہدِ اوزبک میں اس ٹاپو کو آوزنہ۔ ارال
یا اوزنہ۔ ارالی یعنی "درمیانی جزیرہ" کہا کرتے تھے۔ ذوالکفل نبی سے
توسل کی رسوم جو چوتھی صدی ہجری بمطابق دسویں صدی عیسوی میں کالف
میں جاری تھیں یہاں منتقل ہو گئیں۔ اسی توسل کی وجہ سے اس جزیرے
کو اب ارال پیغمبر یعنی پیغمبر کا جزیرہ کہتے ہیں۔

"بعد کے زمانے میں ترمذ کی سیاسی تاریخ خراسان اور ماوراء النہر کی
سیاسی تاریخ کے ساتھ مشترک رہی۔ کبھی زیادہ اہمیت دریائے جیحوں کی
سرحد کو حاصل ہوئی (اور یہ صورت آج بھی ہے) اور کبھی بلخ سے اس کا اتصال
اس کے لئے زیادہ اہم رہا۔ محمود اور اس کے متصل بعد کے جانشینوں کے
عہد میں ترمذ بلخ کے ان توابع کی طرح، جو دریائے جیحوں کے شمال میں

واقع ہے، سلطنت غزنویہ میں شامل رہا۔ سمرقند کے نزدیک دشتِ قطوان کی لڑائی (۵ صفر ۵۳۶ھ بمطابق ۹ ستمبر ۱۱۴۱ء) کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماوراء النہر کی حکومت قرہ ختائیوں کی طرف منتقل ہو گئی۔ مگر ترمذ سلجوقیوں ہی کے قبضے میں رہا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سلطان سنجر نے ۵۵۱ھ بمطابق ۱۱۵۶ء یہاں آکر پناہ لی۔ بعد میں قرہ ختائی اس پر قابض ہو گئے۔ پھر عماالدین عمر نے جو ملوک غوریہ کی طرف سے بلخ کا حاکم تھا ذی القعدہ ۶۰۱ھ بمطابق جون/جولائی ۱۲۰۵ء اسے فتح کر لیا۔

عماالدین کا بیٹا بہرام شاہ ترمذ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس سے اگلے ہی سال خوارزم شاہ محمد نے جو اس وقت قرہ ختائیوں کا حلیف تھا، اسے فتح کر کے قرہ ختائیوں کے حوالے کر دیا۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ اس خبر سے تمام اسلامی دنیا میں خوارزم شاہ کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ بقول جوینی والی ترمذ نے اپنے باپ کی توبیخ و تحذیر پر، عثمان خان والی سمرقند کو شہر کا قبضہ دے دیا۔ میجر خواند نے خان کی جگہ خوارزم شاہ لکھا ہے۔ سلطنت قرہ ختائی کے زوال کے بعد ترمذ خوارزم شاہ کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ ۱۲۲۰ء کے موسم خزاں میں مغلوں نے اسے فتح کر کے کاملاً تباہ و برباد کر دیا۔ جوینی نے اس فتح کے ذکر میں لکھا ہے کہ شہر کی فصیل کا آدھا حصہ دریا کے بیچوں بیچ تعمیر ہوا تھا۔"[1]
اس فتح کے بارے میں لیسٹرینج نے لکھا ہے:۔

"In the year 617 (1220) it was sacked by the Mongol hordes as they passed south into Khurasan".

(۶۱۷ھ بمطابق ۱۲۲۰ء میں یہ منگولوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا جب کہ

---

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام آرٹیکل "ترمذ"

وہ جنوبی جانب خراسان میں داخل ہوئے۔ [1]

اس کے بعد " انسائیکلو پیڈیا آف اسلام : آرٹیکل " ترمذ " کے مصنّف یوں رقمطراز ہیں :۔

" اس سے چند سال پہلے سادات ترمذ کا ذکر پہلی دفعہ آتا ہے جن کی اہمیت پر حملۂ مغول کا بھی کچھ اثر نہ ہوا ۔ جب خوارزم شاہ محمد اور خلیفہ ناصر میں کشیدگی پیدا ہوگئی تو اس نے آئمہ مملکت کے فتویٰ کا اعلان کیا، کہ عباسی خلافت کے صحیح حق دار نہیں، غاصب ہیں اور اصل مستحق سادات حسینی ہیں ۔ چنانچہ علاء الملک ترمذی کو جو سادات بزرگ میں سے تھے خلیفہ مقرر کیا گیا ۔ اس تقرر کا کوئی مزید نتیجہ نہ نکلا ۔ اس مدعی خلافت کے حالات زندگی اور اس کے انجام کے متعلق معلومات میسّر نہیں ۔ البتہ حمداللہ قزوینی کی تاریخ گزیدہ میں اسکا نام سید عماد الدین ترمذی لکھا ہے ۔

" اگلی صدی میں ابن بطوطہ ۔ چغتائی مملکتوں کے واقعات قلمبند کرتا ہے ۔ اس نے علاء الملک خداوند زادہ، صاحب ترمذ، کا ذکر کیا ہے جو حسینی النسب تھا اور لکھا ہے کہ وہ خلیل بن سلطان لیساور کے پاس چار ہزار مسلمان ہمراہ لے کر جا پہنچا اور خان نے اسے اپنا وزیر مقرر کر لیا ۔ اس کے گھرانے کے آدمی اس زمانے کے بعد بھی خداوند زادے ہی کہلاتے رہے اکثر جگہوں پہ اس کلمے کو باختصار خانزادہ یا خوان زادہ لکھا ہے اور پورا نام ظفرنامہ کے قدیم ترین نسخہ میں پایا جاتا ہے جو عہد تیموریہ میں مرتب ہوئے ۔ ظفرنامہ میں خان زادہ ابوالمعالی اور اس کے بھائی علی اکبر کا ذکر کئی مرتبہ آیا ہے ۔ ۱۳۷۱ء میں ابوالمعالی کو تیمور کے خلاف " عصیان و غدر اندیشی " کی ایک سازش میں حصہ لینے کی پاداش میں جلاوطن کر دیا گیا لیکن یہ جلاوطنی زیادہ طویل نہ تھی ۔ کیونکہ اس کے اگلے ہی سال اسے تیمور کی

---

[1] لیسٹرینج : دی لینڈ آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ ۔

ایک مہم میں حصارِ خوارزم کے پاس جنگ کرتے ہوئے پایا گیا ہے۔۱ اس کے بعد بھی ایک خانزادہ علاء الملک کا ذکر آتا ہے۔ ہندوستان کی مہم سے واپس آنے کے بعد ۱۳۹۹ء میں اس نے تیمور کو دعوت دی اور اس طرح مغرب کی مہم سے ۱۴۰۴ء میں واپس آنے کے بعد تیمور نے اس کے مکان پر قیام کیا [خانزادہ تاج الدین کو جو سادات ترمذ میں سے تھا ۸۲۵ھ میں شاہ رخ وغیرہ کے ایلچیوں نے آتا صوفی میں مقیم پایا۔ اس نے وہاں لنگر بنایا تھا اور اس کے خسر امیر فخر الدین نے مسجد ۱۴۸۷ء میں احمد مرزا نے ان سادات کے گھرانے میں خانزادہ بیگم سے شادی کی] ۔

"ابن بطوطہ کے وقت میں جب بلخ ابھی کھنڈر ہی کی صورت میں تھا۔ ترمذ کی حالت مغول کی تباہ کاری کے بعد سنبھل چکی تھی۔ شہر اپنی پہلی جگہ کی بجائے دریا سے کوئی دو عربی میل دور دوبارہ آباد ہوا۔" [1]

اس بارے میں لیسٹرینج نے لکھا ہے :۔

"After this a new town as long ■ the old one, according to Ibn Batutah, who visited it in the follow ing century—was built two miles above the deserted ruins, and this was soon surrounded by gardens which grew excellent grapes and quinces"

(اس کے بعد ایک نیا شہر تعمیر ہوا جو کہ قدیم کے برابر بڑا تھا۔ جیسا کہ ابن بطوطہ نے لکھا ہے جس نے اگلی صدی میں اسے دیکھا۔ یہ تباہ شدہ کھنڈروں سے دو میل اوپر تعمیر ہوا اور جلد ہی اس کے گرداگرد باغات اُگ

---

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، آرٹیکل "ترمذ"۔

آئے جو کہ نہایت عمدہ انگوروں اور سیبوں سے بھرپور تھے[1]

اس کے بعد آرٹیکل "ترمذ" کے مصنف نے لکھا ہے :۔

"یہ ایک عمدہ اور بڑا شہر تھا اور باشندے خوشحال تھے۔ اس شہر کے کھنڈروں میں وہ مقبرہ بھی ہے جس کا حال سمنوف (

نے دیا ہے اور سیدوں کے ان مقبروں کے کوائف بھی بیان کئے ہیں۔ جنہیں آجکل "سلطان سادات" (سلطان سادات) کہتے ہیں۔ سادات کی اولاد اب ترمذ کے قریب ایک گاؤں میں آباد ہے۔ جس کا نام صالح آباد ہے۔ (آخری مردم شماری کے مطابق باشندوں کی تعداد ۷۲۴ ہے)۔ سمنوف نے ان سے ان کے خاندان کا ایک قلمی شجرہ نسب اور ان کے خاندان کی تاریخ حاصل کی جو سنہ ۱۰۴۶ھ بمطابق ۱۶۳۷ء تک کے واقعات پر ختم ہوتی ہے اس قلمی نسخے کے مطابق سید حسن الامیر بن امیر حسین سنہ ۲۳۵ھ بمطابق سنہ ۸۴۹-۵۰ء میں سمرقند آئے اور وہاں سے بلخ اور ترمذ سنہ ۲۴۶ھ بمطابق سنہ ۸۶۰-۶۱ء میں گئے سید حسن کے جو تعلقات سامانی بادشاہوں سے تھے کتاب میں اُن کا بھی کچھ ذکر ہے اور اس سلسلے میں بعض ایسے واقعات بھی مذکور ہیں جو باعتبار زمانہ درست نہیں۔ باقی رہا شجرہ تو اس میں صرف نام ہی نام ہیں اور واقعات یا تاریخی حقائق کا کچھ ذکر نہیں۔

"ظفرنامہ میں ترمذ کے ساتھ "ترمذ کہنہ" کا ذکر بھی آتا ہے۔ ادبی تصانیف میں، بشمول اس مخطوطے کے جس کا اوپر ذکر ہوا، اور سکوں میں اکثر مغول کے حملے کے بعد ترمذ کو "مدینۃ الرجال" یعنی "مردوں کا شہر" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ تیمور کی موت کے بعد تھوڑی مدت کیلئے دریائے جیحوں کی سرحد نے پھر اہمیت حاصل کی خلیل سلطان جس نے سمرقند پر

---

[1] لیسٹرینج : دی لینڈز آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ۔

قبضہ کرلیا۔ صرف دریائے آمو کے شمال کا علاقہ اپنے قبضے میں رکھ سکا۔
جن دنوں شاہ رُخ اور خلیل کے درمیان جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں، خلیل سلطان نے ۸۱۱ھ بمطابق ۱۴۰۸ء میں ترمذِ کہنہ اور شاہ رُخ نے قلعۂ ہندوانِ بلخ کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ غالباً محمد بن علی الترمذی کا روضہ اسی زمانے کی یادگار ہے۔

" دسویں ہجری / سولھویں صدی ع سے ترمذ اور اس کے ساتھ بلخ بھی اکثر اوزبکوں کی حکومت میں شامل رہا۔ بلخ کی لڑائی میں جو اوزبکوں، اور ہندوستان کے شہزادے (بعد ازاں شہنشاہ) اورنگ زیب کے درمیان ۱۶۴۶-۴۷ء میں ہوئی، ترمذ پر ہندوستانی فوجوں نے سعادت خاں کے زیرِ قیادت قبضہ کرلیا۔

■ اٹھارہویں صدی ع کے ابتدائی سالوں میں ترمذ قُنغرات خاندان کے رُکن شیر علی کے قبضے میں تھا جو شہر شیر آباد کا بانی تھا۔ اس زمانے میں ترمذ کے "قلعۂ کلان" اور "قلعہ قریہ" میں جہاں ترمذ کے بیشتر باشندے رہتے تھے امتیاز پیدا ہوا۔ زمانۂ مابعد کے فتنہ و فساد کی وجہ سے دوسرے شہروں کی طرح ترمذ بھی پوری طرح برباد ہو گیا۔ ۱۷۵۰ء میں محمد رحیم خاں نے اس شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ اس کے بعد یہ شہر پھر ایک دفعہ برباد ہوا۔

" انیسویں صدی ع کے دوسرے نصف میں ترمذ کہنہ کے کھنڈروں کے نزدیک سوائے پتہ دکذا، حصار ایک حقیر سے گاؤں اور صالح آباد کے کوئی چیز باقی نہ تھی۔ پتہ دکذا، حصار کو زیادہ اہمیت اس وقت حاصل ہوئی جب اسے آمو دریا پر چلنے والے روسی دخانی جہازوں کے سفر کا نقطۂ آغاز بنا دیا گیا۔
۱۸۹۴ء میں روسی قلعہ ترمذ کے کھنڈروں سے کوئی پانچ میل پر تعمیر ہوا۔ اور آہستہ آہستہ یہ ایک شہر بن گیا۔ لیکن اس میں اکثر آبادی مردوں کی تھی۔ سن آخری مردم شماری کے مطابق ۸۰۵۲ مرد اور ۲۰۶۹ عورتیں) ۱۹۱۶ء میں بخارا۔ قرشی

ترمذ ریلوے کا افتتاح ہوا۔ انقلاب کے زمانے میں اس ریلوے کو برباد کر دیا گیا لیکن وہ اب پھر تعمیر ہو گئی ہے۔ ماسکو کے موزۂ ثقافتِ مشرقی کی طرف سے جو کھدائی کا کام یہاں ہوا، اس سے اہم نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ چنانچہ دوسری چیزوں کے علاوہ بدھ مت کے دور کی چیزیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔" [۱]

جغرافیائی حالت

ترمذ قدیم کی جغرافیائی حالت اُردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں یوں بیان ہوئے ہیں:۔

"چوتھی صدی ہجری بمطابق دسویں صدی عیسوی میں یہاں کے جغرافیائی حالات یہ تھے کہ ترمذ آمو دریا پر ایک اہم بندرگاہ تھی۔ یہاں کشتیاں بھی بنا کرتی تھیں اور باہر بھیجی جاتی تھیں۔ بلخ کی طرح ترمذ کا صابون بھی مشہور تھا۔" [۲]

لیسٹرینج نے اس شہر کی جغرافیائی کیفیت اس طرح لکھی ہے:۔

"In the 4th (10th) century it was defended by a great fortress, where the governor lived, and a suburb lay round the town which was enclosed by an innerwall, while a second wall surrounded the sub urb. A friday Mosque of unburnt brick stood in the market-place of the town, but the market buildings were built of kiln- bricks, and the main streets were also passed with the same material. Tirmidh was the great emporium of the trade coming from the north of Khurasan. The city had three gates, and according to Mukaddasi was strongly fortified."

۱-۲ اُردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: آرٹیکل "ترمذ"

(چوتھی صدی ہجری بمطابق دسویں صدی عیسوی میں یہ شہر ایک بڑے قلعہ سے محفوظ کیا گیا تھا جہاں کا گورنر رہتا تھا۔ اور شہر کے گرداگرد بھی ایک بستی تھی جو کہ اندرونی فصیل سے گھری ہوئی تھی جب کہ ایک دوسری فصیل اس بستی کو گھیرے ہوئے تھی۔ شہر کی مارکیٹ میں کچی اینٹوں کی ایک جامع مسجد تھی لیکن مارکیٹ کی بلڈنگ پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی اور بڑی شاہراہیں بھی اسی میٹریل سے بنی ہوئی تھیں۔ ترمذ شمالی خراسان سے آنے والے تاجروں کے لئے ایک بڑا مرکز تھا۔ شہر کے تین دروازے تھے اور مقدسی کے مطابق یہ مضبوطی سے قلعہ بند کیا گیا تھا) [1]

ابن حوقل نے ترمذ کی جغرافیائی حالت ان الفاظ میں بیان کی ہے:۔

"واما الترمذ فھی مدینۃ فی نحو جیحون لھا قھندز و ربض یحیط بھا و بالربض ایضاً سور و دارالامارۃ فی قھندزھا والحبس خارج القھندز فی سوق المدینۃ ومسجد الجامع ایضاً والمصلی داخل السور فی الربض واسواقھا وابنیتھا طین ومعظم سککھا و اسواقھا مفروشۃ بالآجر وھی عامرۃ آھلۃ فرضۃ لتلک النواحی علی جیحون واقرب الجبال الیھا علی نحو مرحلۃ وشربھم من ماء جیحون ونھر یجری من صغانیان یجری الی جیحون من تحتھا، ولھا من المدن صرمنجی وھاشم جرد۔"

(ترمذ دریائے جیحون کے کنارے ایک شہر ہے جس میں ایک قلعہ ہے اور بستیاں اس کو گھیرے ہوئے ہیں اور بستیوں کے اردگرد ایک فصیل ہے۔ اس کا دارالامارت قلعہ میں ہے۔ ایک قید خانہ قلعہ سے باہر شہر کی منڈی میں ہے۔ اسی طرح جامع مسجد بھی ہے اور عیدگاہ فصیل کے اندر بستیوں میں ہے۔ اس کے بازار اور عمارتیں کچی اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں اس کے اکثر بازار اور منڈیاں بھی

---

[1] لیسٹرینج: دی لینڈز آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ۔

میں اینٹوں کا فرش بچھایا گیا ہے اور یہ بہت آباد ہے اور یہ دریائے جیحوں کی بندرگاہ ہے۔ ایک منزل کے فاصلے پر پہاڑ شروع ہو جاتے ہیں۔ اور پینے کا پانی دریائے جیحوں سے مہیا کیا جاتا ہے اور اس دریا سے جو کہ صغانیاں سے بہتا ہُوا نیچے سے جیحوں کی طرف آتا ہے اور اس کے شہروں میں صرمنجی اور ہاشم جرد ہیں)[1]

یاقوت نے اس بارے میں لکھا ہے :۔

" ولها قهندز وربض، يحيط بها سور، واسواقها مفروشة بالآجر، ولهم شرب يجري من الصغانيان لان جيحون يستقل من شرب قراهم۔"

(اس کا ایک قلعہ ہے اور بستیاں ہیں جن کے ارد گرد فصیل ہے۔ اس کے بازاروں میں اینٹوں سے فرش بچھایا گیا ہے۔ پینے کا پانی صغانیاں سے نہر کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ دریائے جیحون ان کے دیہاتوں کیلئے پانی مہیّا کرنے سے قاصر ہے)[2]

قریہائے ترمذ شہر ترمذ کے گرد و نواح میں کئی ایک گاؤں ہیں جیسا کہ عموماً ہر شہر کے آس پاس ہوتے ہیں ...... اُردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل " الترمذ " اور " الترمذی " کے مصنف نے بیۃ حصار (کذا)، صالح آباد اور بوغ نامی دیہاتوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت و شہرت قریہ بوغ کو حاصل ہوئی جس کی وجہ یہ ہے کہ امام ترمذی رح کی ذات گرامی کو اس قریہ سے نسبت حاصل ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں بیان ہو گا۔ نواب صدیق حسن خاں نے اس قریہ کے بارے میں لکھا ہے :۔

---

[1] ابن حوقل النصیبی : کتاب صورۃ الارض جلد ۲ صفحہ ۴۷۷ ؂

[2] یاقوت حموی : معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۶ ؂

"وبوغ قرية من قرى ترمذ على ستة فراسخ منها و هى قرية قديمة على طرف نهر بلخ من جهة شاطى شرقى يقال لها مدينة الرجال ۔"

(اور بوغ، ترمذ کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے جو اس سے چھ فرسنگ پر واقع ہے اور یہ ایک قدیم دیہات نہر بلخ کے کنارے پر مشرقی سمت میں واقع ہے جسے "مدینۃ الرجال" کہتے ہیں) [1]

سمعانی نے اس قریہ کے متعلق تحریر کیا ہے :۔

"وبوغ بضم الباء الموحدة و سكون الواو و بعدها غين معجمة و هى قرية من قرى ترمذ على ستة فراسخ منها ۔"

(اور بوغ باء موحدۃ کے ضمہ اور واؤ ساکن کے ساتھ جس کے بعد غین معجمہ ہے اور یہ ترمذ کے دیہاتوں میں ایک دیہات ہے جو وہاں سے چھ فرسنگ پر واقع ہے) [2]

مشاہیر علمائے ترمذ

شہر ترمذ میں بڑے بڑے مشاہیر پیدا ہوئے جن کا تذکرہ کتب سیر میں ملتا ہے ان میں سے بعض حوالے درج ذیل ہیں :۔

سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے :۔

"والمشهور من هذه البلد من العلماء اسحق بن ابراهيم بن جبلة باجويه الترمذى وابو الحسن احمد بن الحسن الترمذى و من المشائخ ابوبكر محمد بن على بن حكيم الترمذى وابوبكر الوراق الترمذى وجماعة كثيرة سواهم ومن القدماء خالد بن زياد بن صبر والترمذى وابو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ بن سورة بن شداد الترمذى

---

[1] نواب صدیق حسن خان : الحطہ فی ذکر صحاح ستہ، صفحہ ۱۲۶

[2] السمعانی : کتاب الانساب صفحہ ۹۵

الضریر ..... و ابوعثمان سعید بن الخلدی محمد بن محمد بن خالد الترمذی ..... و ابو محمد صالح بن محمد بن داؤد الترمذی العابد ..... و ابوجعفر محمد بن احمد بن نصر الفقیہ الشافعی الترمذی ..... و ابو اسمٰعیل محمد بن اسمٰعیل بن یوسف السلمی الترمذی۔"

(اس شہر کے مشاہیر علماء میں اسحٰق بن ابراہیم بن جبلہ باجویہ الترمذی اور ابوالحسن احمد بن الحسن الترمذی ہیں اور مشائخ میں ابوبکر محمد بن علی بن حکیم الترمذی اور ابوبکر الوراق الترمذی اور ان کے علاوہ ایک بہت بڑی جماعت ہے اور متقدمین میں خالد بن زیاد بن صرو الترمذی ..... اور ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن شداد الترمذی الضریر ..... اور ابوعثمان سعید بن الخلدی محمد بن خالد الترمذی ..... اور ابومحمد صالح بن محمد بن داؤد الترمذی العابد ..... اور ابوجعفر محمد بن احمد بن نصر الفقیہ الشافعی الترمذی ..... اور ابو اسمٰعیل محمد بن اسمٰعیل بن یوسف السلمی الترمذی ..... ہیں)[1]

صاحب قاموس نے ذیل کے مشاہیر گنوائے ہیں:۔

"ترمذی: محمد بن عیسیٰ - ائمۃ حدیث ون اولوب۔ یا ابو اسمٰعیل محمد بن اسمٰعیل ترمذی - ایلہ ابوالحسن احمد بن حسن بن جنیدیب ترمذی - دخی مشاہیر محدثین اولوب۔"

(ترمذی (محمد بن عیسیٰ): ائمہ حدیث میں سے تھے، ابو اسمٰعیل محمد بن اسمٰعیل ترمذی اور ابوالحسن احمد بن حسن بن جنیدیب ترمذی بھی مشہور محدثین میں سے تھے)[2]

ابن الاثیر نے اس بارے میں لکھا ہے:۔

---

[1] السمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶

[2] الزرکلی: قاموس الاعلام عنوان "ترمذ"۔

"والمشہور من اہل البلدۃ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی الضریر ..... وابو جعفر محمد بن احمد بن نصر الفقیہ الشافعی الترمذی ..... وخلق کثیر سواھما ینسبون ھذہ النسبۃ" ۔

(اور اس شہر کے مشاہیر ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی الضریر ..... اور ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر الفقیہ الشافعی الترمذی ..... ہیں ۔ اور ان دو کے علاوہ بہت سے لوگ اس نسبت سے منسوب ہوتے ہیں) [1]

یاقوت نے ترمذ کے مشاہیر کے نام یوں قلمبند کئے ہیں :۔

"والمشہور من اہل ھذہ البلدۃ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی الضریر صاحب الصحیح ..... وابو اسمٰعیل محمد بن اسمٰعیل بن یوسف الترمذی السلمی ..... واحمد بن الحسن بن جنیدب ابو الحسن الترمذی الحافظ ....."

"اور اس شہر کے مشاہیر یہ ہیں : ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی الضریر صاحب الصحیح ..... اور ابو اسمٰعیل محمد بن اسمٰعیل بن یوسف الترمذی السلمی ..... اور احمد بن الحسن بن جنیدب ابو الحسن الترمذی الحافظ .....) [2]

ابن خطیب الدہشہ نے اس بارے میں تحریر کیا ہے :۔

"واشتھر بھا ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی الضریر تلمیذ البخاری ..... وموسیٰ بن حزام الترمذی شیخ البخاری ۔"

(اور اس جگہ سے ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی الضریر شاگرد بخاری رح ۔ اور موسیٰ بن حزام الترمذی استاد بخاری رح نے شہرت حاصل کی ہے) [3]

---

[1] ابن الاثیر : اللباب فی تہذیب الانساب جلد ا صفحہ ۱۷۴ ؛ [2] یاقوت حموی معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۶ ؛ [3] ابن خطیب الدہشہ : تحفۃ ذوی الارب صفحہ ۱۴۳

علامہ مبارکپوری یوں رقمطراز ہیں :-

"قلت المشهور بالترمذی من ائمۃ الحدیث ثلثۃ الاول ابو عیسیٰ الترمذی صاحب الجامع والثانی ابوالحسن احمد بن الحسن المشهور بالترمذی الکبیر ..... والثالث الحکیم الترمذی ابو عبد اللہ محمد بن علی بن الحسن بن بشر الزاهد الحافظ المؤذن صاحب التصانیف وهو مشهور بالحکیم الترمذی ......"

(میں کہتا ہوں ترمذی کی نسبت سے ائمہ حدیث میں سے تین مشہور ہیں اوّل : ابو عیسیٰ الترمذی صاحب الجامع، دوم : ابوالحسن احمد بن الحسن المشهور بالترمذی الکبیر ..... اور سوم حکیم ترمذی ابو عبد اللہ محمد بن علی بن الحسن بن بشر الزاہد الحافظ المؤذن صاحب التصانیف اور وہ حکیم ترمذی مشہور ہے .....) [1]

اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل "الترمذ" کے مصنّف نے لکھا ہے :-

"ترمذ کے دو باشندوں نے اسلامی ادبیات میں بڑی شہرت حاصل کی - یعنی مشہور مجموعۂ حدیث کے جامع ابو عیسےٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی - (المتوفی ۲۷۹ھ / ۸۹۲ء) اور محدّث و صوفی ابو عبد اللہ محمد بن علی الترمذی (المتوفی ۲۵۵ھ / ۸۶۹ء) ابو عبد اللہ محمد بن علی معروف بالحکیم کا مقبرہ جو غالباً نویں صدی ہجری بمطابق پندرھویں صدی میں تعمیر ہوا - ترمذ کے آثارِ تحرو جہ کی نفیس ترین عمارت ہے - اور اس کا شمار وسط ایشیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں ہے - ان کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم بعض ان شیوخ کے شاگرد تھے جن کے امام بخاری تھے لیکن سمعانی

---

[1] عبد الرحمٰن مبارکپوری - مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۱ ؎

نے یہی بات محمد بن عیسیٰ ترمذی کی نسبت کہی ہے۔“[1]

”تاہم ترمذ کے مشاہیر علماء اور ائمہ حدیث میں جو مقام امام ابو عیسےٰ ترمذی کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں اور دیکھا جائے اور دیکھا جائے تو حقیقت میں شہر ترمذ کی شہرت کا باعث بھی آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے ۔

---

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: آرٹیکل ”ترمذ“ ۔

عصرِ ترمذیؒ

امام ترمذیؒ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ یعنی آپ کی پیدائش دولتِ عباسیہ کے ساتویں خلیفہ عبداللہ المامون کے عہدِ حکومت (۱۹۸ھ یا ۲۱۸ھ) میں ہوئی اور آپ کی وفات کا سن ۲۷۹ھ ہے۔ یعنی آپ خاندانِ عباسیہ کے پندرھویں خلیفہ معتمد علی اللہ کے عہدِ حکومت (۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ) میں فوت ہوئے۔ اس طرح آپ نے اپنی زندگی میں یکے بعد دیگرے نو عباسی خلفاء کا دورِ حکومت پایا۔ ان میں سے پہلے دو خلفاء مامون الرشید اور معتصم باللہ کا عہدِ حکومت دولتِ عباسیہ کا زمانہ عروج شمار ہوتا ہے اس وقت تک عربوں کا تمدن بہت ترقی کر چکا تھا۔ سلطنتِ اسلامیہ میں بڑے بڑے وسیع و عظیم اور عالی شان شہر آباد ہو چکے تھے اور ہر طرف تہذیب کا دور دورہ تھا۔ بغداد، قرطبہ، دمشق، مرو، نیشاپور، بخارا، ترمذ یہ وہ عالی شان شہر تھے جو اس زمانہ میں تہذیب و تمدن اور علم کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔ خلیفہ مامون کے عہد میں مسلمانوں کی علمی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ جس کے دو سبب تھے۔ پہلا سبب موالی یعنی آزاد کردہ غلام تھے جن کی ایک عظیم الشان تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی اور اس کا نتیجہ خیالات کا اختلاط اور عقل کی پختگی ہوا۔ کیونکہ خلافتِ عباسیہ کی بنیاد ان ہی خراسانی اور عراقی موالیوں کے بل پر قائم ہوئی تھی، اس طرح وہ شریکِ سلطنت ہوئے اور اس طریقہ سے ان کا علمی اور سیاسی اشتراک مکمل ہو گیا تھا۔ دوسرا سبب وہ فارسی اور رومی کتابیں تھیں جن کا ترجمہ عربی زبان میں ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور مامون کے دور میں اس کو خاص طور پر ترقی ہوئی، یہ کتابیں خوب کثرت سے پھیلیں۔ اس

طرح یہ زمانہ بنی عباس کا زمانہ عروج متصور ہوتا ہے۔

لیکن خلیفہ مامون کا تمام عہدِ حکومت تو آپ کے بچپن کا زمانہ تھا۔ اور خلیفہ معتصم کے عہد میں آپ کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔ اور اسی طرح بعد کے خلفا کا عہدِ حکومت آپ کی تربیت و علمی زندگی کا حصہ رہا۔ آخری تین خلفاء معتز، مہتدی اور معتمد کا زمانہ جو کہ بنی عباس کا زمانہ زوال تھا آپ کے علمی کمال اور فنی عروج کا زمانہ ہے جس میں آپ کے درس و تدریس اور علمی شہرت کا چرچا اطرافِ عالم میں پھیلا اور قبولیت کا سہرا پہنا۔ خلیفہ معتمد کے عہد میں آپ کی شہرۂ آفاق تالیف جامع ترمذی مرتب ہو کر اختتام کو پہنچی۔ جس نے آکر علمی دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور اپنی حسن صناعت، سہل الماخذ، مطلب خیز اختصار اور کثرتِ الفاظ و اسناد کے باعث قلوب میں مقناطیسی طاقت کی مثال بن گئی۔

غرضیکہ امام ترمذیؒ نے تاریخ اسلام میں وہ زمانہ پایا جو بیک وقت عروج اور زوال کا زمانہ تھا۔ ایک طرف خلیفہ مامون اور معتصم کا زمانہ تہذیب و تمدن اور علمی ترقی کے عروج کا دور تھا اور دوسری جانب ان دو خلفاء کے بعد اس تمام ترقی اور خود دولتِ عباسیہ کو زوال آنا شروع ہو گیا تھا۔ پھر اس دور میں جہاں تمدن کی وسعت ہوئی، علم کو ترقی حاصل ہوئی، تدوینِ حدیث کی تکمیل ہوئی اور علم فقہ میں بھی نکھار پیدا ہوا، وہاں پر عربوں کے اقتدار کے بعد ان کا زوال اور غیر عربوں کا عروج شروع ہوا۔ اس طرح امام ترمذیؒ نے اپنی زندگی میں ہر قسم کے نشیب و فراز دیکھے۔ اور یہی نشیب و فراز آپ کی زندگی پر اثر انداز بھی ہوئے۔

تدوینِ حدیث کے مقدس کام کی داغ بیل اگرچہ عہدِ رسالت میں پڑ چکی تھی اور خلفائے راشدین کے عہد میں بھی متعدد صحابہ کرامؓ اپنے اپنے طور پر احادیثِ نبویؐ کو جمع کرتے رہے اور اس کی اشاعت میں حصہ لیتے

رہے۔ لیکن تدوین حدیث کے کام کا باقاعدہ آغاز حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ کے زمانہ سے ہوا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا دور آیا جس میں عاملان حدیث کی قلت اور صحابہ کرام رض جیسے فضائل و محامد والے لوگوں کے فقدان کی بنا پر حفظ و تدوینِ حدیث میں عدم احتیاط سے کام لیا جانے لگا۔ اور بہت سی موضوع روایات احادیث کے ادب میں شامل ہوگئیں۔ بالآخر ایک دوسرے دور کی ابتدا ہوئی جسے دورِ صحت کہا جائے تو بجا ہوگا۔ اس زمانہ میں وہ اکابر محدثین پیدا ہوئے جنہوں نے علم اصول حدیث کی بنیاد رکھی اور روایت اور درایت کے اصولوں پر احادیث کی چھان پھٹک کر کے صحیح احادیث کو موضوعات سے پاک کیا اور احادیث صحیحہ کے مجموعے مرتب کئے۔ ان مجموعوں میں سے چھ مجموعے علمائے امتِ مسلمہ کے نزدیک صحیح ترین قرار پائے اور انہیں "صحاح ستہ" کا نام دیا گیا۔ یہ مجموعے اپنے مصنفین کے ناموں پر بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔

عصر ترمذی رح کے بارے میں احمد محمد شاکر شارح ترمذی نے لکھا ہے:

"ادرك الترمذی کثیراً من قدماء الشیوخ وسمع منهم وكان عصره عصر النهضة العلمیة العظیمة فی علوم الحدیث، وهی النهضة التی نری ان الذی اثارها وكانت له الید الطولی فی احیائها وبعثها ... وهو الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی ناصر الحدیث - اعلم الناس عامة واهل العراق ثم مصر خاصة - معنی الاحتجاج بالسنة، ومعنی العمل بها مع القرآن، وحدد اصول ذالك وحررها واقام الحجة علی مناظریه بوجوب الاخذ بالحدیث وافحمهم، وعن ذالك نری ان الائمة اصحاب الكتب الستة بلغوا فی الطبقة

التالية لعصر الشافعي مباشرة، وان لم يدركوا رؤية وسماعاً لتقدم موته - ولكنهم ادركوا أقرانه ومعاصريه ومناظريه وكبار تلاميذه وهاك بياناً عن تواريخ مولد كل منهم ووفاته لتظهر المقارنة بينهم واضحة -"

(امام ترمذیؒ نے بہت سے متقدمین اساتذہ کو پایا اور ان سے حدیث سنی - آپ کا زمانہ علوم حدیث کے عروج و عظمت کا زمانہ تھا - اور یہ وہ عروج ہے جس کے آثار یا جس کے احیاء اور جلا میں ہم جس شخص کا ہاتھ دیکھتے ہیں .....
وہ امام محمد بن ادریس الشافعیؒ المطلبی ناصر الحدیث ہیں ..... جب انہوں نے لوگوں کو عام طور پر اور اہل عراق و مصر کو خاص طور پر احتجاج بالسنۃ اور اس کے ساتھ قرآن پر عمل کرنے کے معنی سکھا دیئے اور اس کے اصول مقرر کر دیئے اور لکھ دیئے اور حدیث کے اخذ کرنے کے واجب ہونے پر اپنے مد مقابل علماء پر حجت قائم کر دی اور انہیں خاموش کر دیا - اور اس سے ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے ملحقہ زمانہ میں اصحاب کتب صحاح ستہ اٹھے - اور اگرچہ انہوں نے امام شافعیؒ کو ان کے اپنے سے پیشتر فوت ہو جانے کی بنا پر نہ دیکھا اور نہ ان سے سنا لیکن انہوں نے اس کے ہمسروں، ہمعصروں مناظرہ کرنے والوں اور اس کے بڑے بڑے شاگردوں کو پایا - اور اب ان میں سے ہر ایک کی ولادت اور وفات کا بیان ہوتا ہے تاکہ ان کے درمیان ہمعصری کو واضح کر سکے[1]) -

بہر کیف امام ترمذیؓ نے علم تدوین حدیث کے عروج کا زمانہ پایا - اور انہوں نے بھی احادیث صحیحہ کا مجموعہ مرتب کرنے کا مقدس کام اپنے ذمہ لیا - امام ترمذیؒ کی عظمت شان، نیرہ نگاہ، علمی تبحر، ذکاوت و ذہانت، قوت حافظہ اور خداداد ملکہ و قابلیت نے آپ کو اس کار عظیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور علمی دنیا میں بام عروج پر چڑھانے میں اعانت کی - اور آپکا نام نامی اکابر محدثین میں شمار ہوتا ہے ⁂

---

[1] شرح امام ترمذی جلد اول صفحہ ۲۰ ⁂

نام، نسب، ولادت

محمد نام، ابوعیسیٰ کنیت، امام فی الحدیث، حافظ حدیث اور خلیفۃ البخاری لقب۔ شجرہ نسب یہ ہے۔ "ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی الضریر البوغی الترمذی۔" عام طور پر سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں نے امام ترمذیؒ کا شجرہ نسب یہی لکھا ہے۔ البتہ بعض روایات میں سورۃ کے والد کا نام بجائے موسیٰ کے "شداد" اور بعض میں "السکن" ہے۔ چنانچہ سمعانی نے شداد (۱) اور ابن حجر نے السکن (۲) ہی لکھا ہے۔

"الترمذی" کی توضیح

ترمذی کی نسبت شہر ترمذ سے ہے۔ جو آپ کا مولد و وطن ہے اور جہاں آپ کا وصال ہوا جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے۔ علامہ مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:-
قال العلامۃ البقاعی فی الکشف:

"اصلہ من مرو وانتقل جدہ منہا ایام اللیث بن السیار واستوطن مدینہ ترمذ وولد بہا ونشاء"

(اس کی اصل مرو ہے اور اس کے دادا وہاں سے لیث بن سیار کے زمانہ میں منتقل ہوگئے اور شہر ترمذ کو وطن بنا لیا اور وہ وہاں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی) (۳)

ملا علی قاریؒ نے امام ترمذیؒ سے روایت کیا ہے:-

---

(۱) سمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶۔

(۲) ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۷۔

(۳) عبدالرحمن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۷۔

"کان جدی مروزیا فی ایام اللیث بن سیار۔ ثم انتقل منه الی ترمذ۔"

(میرے دادا لیث بن سیار کے زمانہ میں مرو میں تھے۔ پھر وہاں سے ترمذ منتقل ہوئے) [1]

براکلمن کی اس بارے میں یہ رائے ہے :۔

"رجع الی وطنه واستقر فیه الی ان توفی فی یوم ۱۲ من رجب سنة ۲۷۹ ھ"

(وہ اپنے وطن کی طرف رحلت سے، لوٹا اور وہیں مقیم ہوا یہاں تک کہ ۱۲ رجب ۲۷۹ھ کو اس کی وفات ہوئی) [2]

حافظ ذھبی، امام ولی الدین خطیب اور نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے :۔

"مات ابوعیسی الترمذی بترمذ"

(ابوعیسٰی الترمذی، ترمذ میں فوت ہوئے) [3]

ان اقوال کی بنا پر آپ ترمذی کی نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔

البوغی کی توضیح

دوسرے ماخذ کے مطابق آپ کا وطن بوغ ہے جو ترمذ سے چھ فرسنگ کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔ اسی قریہ سے آپ کی نسبت البوغی مشہور ہے۔ اس بارے میں سمعانی نے لکھا ہے :۔

"اما انه کان من هذه القریة، او سکن هذه القریة الی ان مات ۔۔۔۔۔ مات بقریة بوغ سنة ۲۷۵ھ"

---

[1] ملا علی قاری : شرح شمائل ترمذی جلد اول صفحہ ۷۔

[2] براکلمن : تاریخ ادب العربی جلد ۳ صفحہ ۱۸۹ ۔

[3] حافظ ذہبی : تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷، امام ولی الدین خطیب الکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۵۳، نواب صدیق حسن خاں : الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۶

دیا تو وہ اس قریہ سے تھے یا اپنی وفات تک اس میں سکونت پذیر رہے
.... آپ کی وفات قریہ بوغ میں ۲۷۵ھ میں ہوئی ؛ [۱]

الضّریر کی توضیح

امام ترمذیؒ کو الضّریر لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو نابینا ہونے کا عارضہ لاحق تھا

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مادرزاد نابینا تھے جیسا کہ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے :-

"وقیل انه ولد اکمه وکان مکفوف البصر"

(اور کہا گیا ہے کہ وہ نابینا پیدا ہوئے اور وہ بینائی سے محروم تھے)[۲]

لیکن دوسری روایات بتاتی ہیں کہ آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں نابینا ہوئے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے :-

"قال یوسف بن احمد البغدادی الحافظ اضر ابو عیسیٰ فی اخر عمرہ وقال ھذا مع الحکایة المتقدمة عن الترمذی دلیل فی حفظه ، یرد علی من زعم انه ولد اکمه"

(حافظ یوسف بن احمد بغدادی نے کہا کہ ابوعیسیٰ اپنی عمر کے آخر میں نابینا ہوئے اور کہا کہ یہ اور ترمذی سے سابقہ روایات (جو اس کے حافظہ کے بارے میں ہے) اس کو رد کرتی ہے جس نے آپ کو مادرزاد نابینا خیال کیا) [۳]

حافظ ذہبی کا اس بارے میں یہ قول ہے :-

"وقال الحاکم سمعت عمر بن ملک یقول مات البخاری فلم یخلف بخراسان مثل ابی عیسیٰ فی العلم والحفظ والورع

---

[۱] سمعانی : کتاب الانساب صفحہ ۹۵ -

[۲] نواب صدیق حسن خان : الحطہ فی تذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۶ -

[۳] ابن حجر عسقلانی : کتاب تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۹ -

والزھد بکی حتی عمی وبقی ضریراً سنین ‘‘

(اور حاکم نے کہا کہ میں نے اپنے شیخ عمر بن ملک کو یہ کہتے سنا کہ امام بخاری رضؓ فوت ہوئے اور انہوں نے خراسان میں ابو عیسیٰ کی مانند علم، حفظ، تقویٰ اور زہد میں کوئی جانشین نہیں چھوڑا۔ آپ (امام ترمذی رضؓ) روئے یہاں تک کہ آپ کی بینائی جاتی رہی اور دو سال نابینا زندہ رہے) [۱]

شاہ عبدالعزیز رحؒ دہلوی نے آپ رضؓ کے نابینا ہونے کا سبب یوں لکھا ہے :۔

’’ و تورع و زہد و خوف بحدّا داشت کہ فوق آں متصور نیست بخوف الٰہی بسیار گریہ و زاری کرد و نابینا شد ۔‘‘

(تورع، زہد اور خوفِ خدا اس درجہ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں چنانچہ خوف الٰہی میں روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی تھی) [۲]

علامہ مبارکپوری نے مختلف روایات کا تجزیہ کر کے اپنی رائے یوں دی ہے :۔

’’ کان ابو عیسیٰ الترمذی فی آخر عمرہ ضریراً بلا اختلاف فیه وانما الاختلاف فی انه هل ولد اکمه او صار ضریراً بعد ان کان بصیراً فقیل انه ولد اکمه وقیل لا بل اضر فی آخر عمرہ والحق الثانی ‘‘

(اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ابو عیسیٰ الترمذی اپنی عمر کے آخر میں نابینا تھے اور اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا وہ مادر زاد نابینا تھے یا پہلے بینائی رکھتے تھے اور بعد میں نابینا ہوئے۔ پس کہا گیا ہے کہ وہ مادر زاد نابینا تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں بلکہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے۔ اور درست دوسرا قول ہی ہے) [۳]

---

[۱] حافظ ذہبی : تذکرۃ الحفاظ، جلد ۲ صفحہ ۱۸۷۔

[۲] شاہ عبدالعزیز دہلوی رحؒ بستان المحدثین۔ صفحہ ۱۰۹۔

[۳] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۰۷۔

السُّلمی کی توضیح

آپ کے سلسلہ نسب میں السُّلمی کی نسبت عرب کے قبیلہ بنی سلیم سے ہے جو بنی غیلان کی ایک شاخ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی عربی النسل تھے۔
مذکورہ بالا روایات سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کے دادا "سورۃ" مروزی الاصل تھے اور کسی وجہ سے علاقہ ترمذ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔
نسبت السُّلمی کی وضاحت میں علامہ الکتانی نے لکھا ہے:-

"السُّلمی، بضم السین خلافاً لمن قال بفتحها، نسبۃ الی بنی سلیم قبیلۃ معروفۃ"

(السُّلمی: سین کے ضمہ کے ساتھ بخلاف اس کے جس نے فتح کے ساتھ کہا، مشہور قبیلہ بنی سلیم کی طرف نسبت ہے) [1]

نواب صدیق حسن خان اس بارے میں لکھتے ہیں:-

"والسُّلمی نسبۃ الی بنی سلیم بالتصغیر قبیلۃ من غیلان ذکرہ ابن عساکر"

(اور سُلمی، بنی سلیم کی طرف نسبت ہے جو غیلان کا چھوٹا سا قبیلہ ہے جیسا کہ ابن عساکر نے ذکر کیا ہے) [2]

القاب کی توضیح

آپ کو تین القاب "امام فی الحدیث" "حافظ حدیث" اور "خلیفۃ البخاری" سے ملقب کیا گیا ہے۔ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:-

"ونقل الحاکم ان البخاری مات ولم یخلف مثل ابی عیسیٰ فی العلم والحفظ والورع والزھد .... وھو خلیفۃ البخاری"

(اور حاکم نے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ فوت ہو گئے اور انہوں نے علم

---

[1] الکتانی: الرسالۃ المستطرفۃ صفحہ ۱۱

[2] نواب صدیق حسن خان: الحطۃ فی ذکر صحاح ستۃ صفحہ ۱۲۶

حفظ، تقویٰ اور زہد میں ابو عیسیٰ کی مانند کوئی بھی جانشین نہیں چھوڑا ۔۔
۔۔۔۔۔ اور وہ بخاری ہیں) [1]

سمعانی نے کتاب الانساب میں بیان کیا ہے :-

"احد الائمۃ الذین یقتدی بھم فی علم الحدیث ۔"
(ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی علم حدیث میں پیروی کی جاتی ہے) [2]

طاش کبری زادہ نے تحریر کیا ہے :-

"وھو احد العلماء الحفاظ الاعلام "
(اور وہ نامی حافظ علماء میں سے ایک ہیں) [3]

کنیت "ابو عیسیٰ" کی توضیح

امام ترمذی رضہ کا نام محمد اور کنیت ابو عیسیٰ تھی لیکن آپ ہمیشہ کنیت کو نام پر ترجیح دیتے تھے اور اپنے آپ کو "ابو عیسیٰ" سے تعبیر کرتے تھے ۔ بعض علماء نے ابو عیسیٰ کنیت کو ناپسند کیا ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے اپنی "مصنف" میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "ما یکرہ للرجل ان یکتنی بابی عیسیٰ" اور اس کے بعد یہ حدیث بیان کی ہے :-

"حدثنا الفضل بن دکین عن موسیٰ بن علی عن ابیہ ان رجلا اکتنی بابی عیسیٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عیسیٰ لا اب لہ"

(ہم سے بیان کیا فضل بن دکین نے وہ موسیٰ بن علی اور وہ اپنے والد سے یہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ عیسیٰ کے تو باپ نہیں تھے) [4]

---

[1] نواب صدیق حسن خاں : الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۶ ۔ [2] سمعانی : کتاب الانساب صفحہ ۱۰۲ ۔ [3] طاش کبری زادہ : مفتاح السعادۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱
[4] ابن ابی شیبہ : مصنف ، باب ما یکرہ الرجل ان یکتنی بابی عیسیٰ بحوالہ عبدالرحمٰن مبارکپوری ۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۸۷ ۔

ابن ابی شیبہ نے اسی باب میں یہ روایت کی ہے :-

حدثنا الفضل بن دکین عن عبد اللہ بن عمر بن حفص عن زید بن اسلم عن ابیہ ان عمر بن الخطاب ضرب ابنا لہ اکتنی بابی عیسیٰ فقال ان عیسیٰ لیس لہ اب "

" ہم سے بیان کیا فضل بن دکین نے وہ عبد اللہ بن عمر بن حفص سے وہ زید بن اسلم سے اور وہ اپنے والد سے یہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے اپنے لڑکے کو مارا جس نے اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھی تھی اور کہا کہ عیسیٰ کے باپ نہیں تھے " لہ

بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ پہلی حدیث مرسل ہے اور دوسری موقوف اور اگر بالفرض اسے مرفوع مان بھی لیا جائے تو اس میں ابو عیسیٰ کنیت سے ممانعت نہیں ہے بلکہ ایک امر واقع کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ کے باپ نہیں تھے ۔ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہ بات مزاح کے طور پر فرمائی جیسا کہ ذیل کی حدیث سے واضح ہوتا ہے :-

(۱) " عن انس ان رجلا استحمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی حاملک علی ولد ناقۃ فقال ما اصنع بولد الناقۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھل تلد الابل الا النوق ۔ رواہ الترمذی وابو داؤد ۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سواری طلب کی ۔ آپؐ نے فرمایا میں تیری سواری کیلئے اونٹنی کا بچہ دوں گا ۔ اس شخص نے کہا میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا ۔ آپؐ نے فرمایا اونٹ کو تو اونٹنی ہی جنتی ہے " ۔ روایت کیا اس کو ترمذیؒ اور ابوداؤد نے " لہ

لہ ابن ابی شیبہ : مصنف ۔ باب ما یکرہ للرجل ان یکتنی بابی عیسیٰ بحوالہ عبد الرحمٰن مبارکپوری مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۲۹ لہ مشکوٰۃ المصابیح : کتاب الآداب ، باب المزاح صفحہ ۴۱۶

(۱۱) "عن ابی هریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ انک تداعبنا قال انی لا اقول الا حقاً - رواہ الترمذی"

(حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپؐ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں سچی بات کہتا ہوں.... روایت کیا اس کو ترمذی نے) [1]

دوسری حدیث میں آپ کے قول "تداعبنا" سے مراد "تمازحنا" ہے۔

سنن ابوداؤد کی کتاب الادب" کے باب "الرجل من یتکنی بابی عیسیٰ" میں بھی اسی طرح آیا ہے اور یہ سند بیان کی ہے:-

"حدثنا ھشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابیہ ان عمر بن الخطاب ضرب ابنا لہ تکنی ابا عیسیٰ و ان المغیرۃ بن شعبہ تکنی بابی عیسیٰ فقال لہ عمر اما یکفیک ان تکنی بابی عبد اللہ فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنانی فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر وانا فی جلجتنا فلم یزل یکنی بابی عبد اللہ حتی ھلک ۔"

(ہم سے بیان کیا ہے... ہشام بن سعد نے زید بن اسلم سے اور وہ اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنے بیٹے کو اس وجہ سے مارا کہ انہوں نے اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھی تھی اور یہ کہ مغیرہ بن شعبہ کی کنیت بھی ابوعیسیٰ تھی تو اُن سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تجھ کو ابوعبداللہ کی کنیت کافی نظر نہیں آتی؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی کُنیت سے پکارا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہؐ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں اور بھول چُوک اللہ تعالےٰ نے معاف فرما دی تھیں اور ہم تو ایک امر مضطرب میں

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الاداب: باب المزاح، صفحہ ۴۱۶

مبتلا ہیں پھر انہوں نے مرتے دم تک اپنی کُنیت ابو عبداللہ ہی رکھی۔[1]
حافظ ابن حجر نے اپنی تصنیف کتاب الاصابہ میں اس روایت کو یوں بیان کیا ہے :۔

"ذکر البغوی من طریق زید بن اسلم ان المغیرة استاذن علی عمر فقال ابو عیسیٰ قال من ابو عیسیٰ قال المغیرة بن شعبة قال ھل لعیسی من اب فشھد له بعض الصحابة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یکنیه بھا فقال ان النبی صلی اللہ علیه وسلم غفر له وانا لا ندری ما یفعل بنا وکناہ ابا عبد اللہ"

البغوی نے زید بن اسلم کی سند سے بیان کیا ہے کہ مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس اجازت طلب کرتے ہوئے خود کو ابو عیسیٰ کہا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ کون ابو عیسیٰ ؟ اس پر انہوں نے کہا کہ مغیرہ بن شعبہ۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کیا حضرت عیسیٰ کے باپ تھے ؟ حضرت عمرؓ کو بعض صحابہؓ نے شہادت دی کہ رسول اللہ نے ان کی یہی کنیت رکھی تھی تو آپؓ نے فرمایا کہ نبی کریم کو تو اللہ تعالےٰ نے معاف فرما دیا تھا اور ہم نہیں جانتے کہ وہ ہم سے کیا کرے گا اور مغیرہؓ کی کنیت ابو عبداللہ رکھ دی۔[2]

مذکورہ احادیث کی شاہ عبدالعزیزؒ یوں وضاحت کرتے ہیں :۔

"ومعنی ان رسول اللہ کنانی آں ست کہ آنحضرت مرا ابو عیسیٰ خواندہ بود نہ آنکہ فرمود کہ کنیت تو ابو عیسیٰ است ومعنی کلام حضرت عمرؓ آنکہ کنیت بابو عیسیٰ مکروہ ہست نباید کرد وآں حضرتؐ اگر یکبار ترا ابو عیسیٰ خواندہ ترا نمی رسد کہ ایں کنیت برائے خود قرار دہی زیرا کہ آنحضرتؐ چیزہا برائے بیان جواز گاہے ترک اولےٰ میفرمود در حق او ایں ترک اولےٰ مسلوب الکراہیۃ

---

[1] ابوداؤد : کتاب الادب : باب فیمن یتکنی بابی عیسیٰ جلد ۲ صفحہ ۳۲۲

[2] ابن حجر : الاصابہ فی تمیز الصحابہ بحوالہ عبدالرحمٰن مبارکپوری مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۴۸

ہے گردید برائے ضرورت تبلیغ حکم وہمیں ست معنی غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر۔"

("ان رسول اللہؐ کنانی" کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھے ابوعیسیٰ کہہ کر بلایا ہے نہ یہ کہ آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ تیری کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ حضرت عمرؓ کے کلام کے یہ معنی ہیں کہ ابو عیسیٰ کی کنیت مکروہ ہے۔ یہ کنیت نہ رکھنی چاہیئے۔ اگر آنحضرتؐ نے ایک دفعہ اس کنیت کے ساتھ پکار لیا تو تم کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کو اپنی کنیت قرار دو کیونکہ آنحضرتؐ کبھی کبھی صرف بیان جواز کے لئے ایک امر اولیٰ کو ترک فرما دیا کرتے تھے اور آپؐ کے لئے ترکِ اولیٰ کراہت سے پاک تھا۔ آپؐ کو یہ ضرورت بھی محض تبلیغ حکم کی وجہ سے پیش آئی تھی اور "وما تقدم من ذنبہ وما تاخر" کے معنی بھی یہی ہیں)[1]

علامہ مبارکپوریؒ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے اور امام ترمذیؒ کی کنیت ابو عیسیٰ کا جواز نکالا ہے:۔

"قلت لیس فی النہی عن التکنی بابی عیسیٰ حدیث مرفوع متصل صحیح صریح فالظاہر ہو الجواز واما اثر عمر رضی اللہ عنہ فلیس فی حکم المرفوع کما لا یخفی واللہ تعالیٰ اعلم"

(میں کہتا ہوں کہ کنیت ابو عیسیٰ کی ممانعت میں کوئی بھی مرفوع، متصل، صحیح اور صریح حدیث نہیں ہے پس اس کا جواز ظاہر ہے اور حضرت عمرؓ کی روایت مرفوع کے حکم میں نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)[2]

---

[1] شاہ عبدالعزیز دہلوی: بستان المحدثین صفحہ ۱۱۰۔

[2] علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۱-۱۷۰۔

آباؤ اجداد

آپ کے آباؤ اجداد کے حالات سے تاریخ کے صفحات بالکل ساکت ہیں صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ آپ عربی النسل اور مروزی الاصل تھے اور آپ کے دادا "سورۃ" کسی وجہ سے علاقہ "ترمذ" میں موضع "بوغ" میں آکر آباد ہو گئے تھے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس سے زیادہ تذکرہ نویسوں نے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ "سورہ" کی تشریح میں نواب صدیق حسن خاں یوں رقمطراز ہیں:۔

"وسورۃ اسم جدّہ کما فی القاموس وھو بفتح السین و سکون الواؤ و فتح الراء و معناھا فی الاصل الحدۃ ففی القاموس سورۃ الخمر حدّتہا کسوارھا بالضم"

(اور "سورۃ" اس کے دادا کا نام ہے جیسا کہ "قاموس" میں ہے اور یہ سین کی فتح اور واؤ کے سکون اور راء کے فتح سے ہے اور اس کے معنی اصل میں حدّت کے ہیں۔ پس "قاموس" میں سورۃ کے معنی شراب کی حدّت کے ہیں جیسا کہ "سُوار" ضمہ کے ساتھ کے ہیں) [1]

ولادت

امام ترمذی رح کے سن ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے ۲۰۰ھ اور بعض نے ۲۰۹ھ لکھا ہے چنانچہ علامہ مبارکپوری رح اور شیخ عبدالعزیز الخولی رح نے ۲۰۰ھ لکھا ہے۔ [2] لیکن عام طور پر علماء نے ۲۰۹ھ ہی لکھا ہے اور یہی مشہور اور درست ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں آپ کا سن وفات ۲۷۹ھ لکھ کر یہ لکھا ہے: "وکان من ابناء السبعین" (اور وہ ابناء السبعین میں سے تھا) اور ملا علی قاری نے شرح الشمائل میں آپ کی وفات ۲۷۹ھ لکھ کر لکھا ہے "ولہ سبعون سنۃ" (اور اس کی عمر

---

[1] نواب صدیق حسن خاں: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۶

[2] علامہ مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۹۷ و شیخ عبدالعزیز الخولی: مفتاح السنۃ۔ صفحہ ۹۷

۷۰ برس تھی) - اس طرح آپ کا سنِ ولادت ۲۰۹ھ بنتا ہے۔ علامہ الصلاح الصفدی نے نکت الہمیان میں لکھا ہے۔ "ولد سنة بضع و مائتين" (دوسو سے کچھ اوپر برس میں پیدا ہوا) امام ولی الدین خطیب، سرکیس، اور نواب صدیق حسن خاں نے ۲۰۹ھ سے اتفاق کیا ہے۔ [1]

"تاریخ ولادت کی طرح آپ کی جائے ولادت میں بھی اختلاف نظر آتا ہے۔ بعض نے قریہ "بوغ" اور بعض نے "ترمذ" لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ مُبارکپوریؒ نے لکھا ہے:-

"قال العلامة البقاعي في الكشف اصله مروزي وانتقل جده منها ايام الليث بن السيار واستوطن مدينة ترمذ وولد بها ونشأ۔"

(علامہ بقاعی کشف میں بیان کرتے ہیں: اس کی اصل مرو سے ہے اور اس کے دادا وہاں سے لیث بن سیار کے زمانہ میں منتقل ہوئے اور شہر ترمذ کو وطن بنا لیا اور وہ وہاں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی) [2]

سمعانی کا قول اس کے خلاف ہے:-

"اما انه كان من هذه القرية، اوسكن هذه القرية الى ان مات"

(یا تو وہ اس قریہ سے تھے یا اپنی وفات تک اس میں سکونت پذیر رہے) [3]

---

[1] حافظ ذہبی: میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۱۷ - الصلاح الصفدی: نکت الہمیان صفحہ ۲۶۴ - ولی الدین خطیب: الاکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۵۳، سرکیس: معجم المطبوعات صفحہ ۶۳۲ اور نواب صدیق حسن خان: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۶ - [2] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۷

[3] سمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۹۵

شیوخ و اساتذہ

امام ترمذی رحؒ کے خاندان کے حالات اگرچہ پردۂ اخفا میں ہیں لیکن آپ کے عربی النسل اور مروزی الاصل ہونے اور اس زمانہ سے جس میں آپ نے ہوش سنبھالا یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علوم اسلامیہ سے آپ کو ابتداءً رغبت تھی۔ علامہ نقاعے کے مذکورہ قول سے ..... واستوطن مدینۃ ترمذ وولد بھا ونشاءً (اس کے دادا نے شہر ترمذ کو وطن بنالیا اور وہ وہاں پیدا ہوا اور پرورش پائی) یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام ترمذی رحؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی وطن میں حاصل کی اور طلب علم و طلب حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے علم کی پیاس بجھانے اور احادیثِ نبوی ؐ کی تلاش میں مختلف مراکز علوم کا سفر اختیار کیا اور خوش قسمتی سے آپ رضؓ کو بے شمار متقدمین اساتذہ کی صحبت میسر آئی اور آپ رضؓ نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا۔

دراصل آپ کا زمانہ جیسا کہ ابتداء میں بیان ہوچکا ہے علم حدیث کے عروج و عظمت کا زمانہ تھا۔ اور اس زمانہ میں وہ اکابر محدثین پیدا ہوئے جنہوں نے علم اصول حدیث کی بنیاد رکھی اور روایت و درایت کے اصولوں پر احادیث کی چھان پھٹک کر کے صحیح احادیث کے مجموعے مرتب کئے اور تدوین احادیث کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان محدثین میں سے ذیل کے چھ محدث زیادہ مشہور ہوئے اور ان کے مجموعوں کو صحاح ستہ کا نام دیا گیا :۔

(۱) البخاری محمد بن اسمٰعیل ابوعبداللہ ولد سنۃ ۱۹۴ھ ومات سنۃ ۲۵۶ھ

(۲) مسلم بن الحجاج القشیری ابوالحسن : " " ۲۰۴ھ " " ۲۶۱ھ

(۳) الترمذی محمد بن ابو عیسیٰ: ولد سنة ۲۰۹ھ ومات سنة ۲۷۹ھ
(۴) ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی: " " ۲۰۲ھ " " ۲۷۵ھ
(۵) النسائی احمد بن شعیب ابو عبدالرحمٰن: " " ۲۱۵ھ " " ۳۰۳ھ
(۶) ابن ماجہ محمد بن یزید بن ماجہ ابو عبداللہ: " " ۲۰۹ھ " " ۲۷۳ھ

ان چھ ائمہ نے بہت سے اساتذہ سے تلمذ حاصل کیا اور روایت بیان کی۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان ائمہ نے آپس میں ایک دوسرے سے تلمذ حاصل کیا۔ تاہم ان کے مشہور اساتذہ درج ذیل ہیں:

(۱) محمد بن بشار بندار (المتوفی ۲۵۲ھ)
(۲) محمد بن المثنیٰ ابو موسیٰ (المتوفی ۲۵۲ھ)
(۳) زیاد بن یحییٰ الحسانی (المتوفی ۲۵۴ھ)
(۴) عباس بن عبدالعظیم العنبری (المتوفی ۲۴۶ھ)
(۵) ابو سعید الاشج عبداللہ بن سعید الکندی (المتوفی ۲۵۷ھ)
(۶) ابو حفص عمرو بن علی الفلاس (المتوفی ۲۴۹ھ)
(۷) یعقوب بن ابراہیم الدورقی (المتوفی ۲۵۲ھ)
(۸) محمد بن معمر القیسی البحرانی (المتوفی ۲۵۶ھ)
(۹) نصر بن علی الجہضمی (المتوفی ۲۵۰ھ)

امام ابو عیسیٰ الترمذی نے ان شیوخ کے علاوہ ذیل کے اساتذہ سے بھی حدیث سُنی اور اپنی کتاب "جامع ترمذی" میں ان سے روایت بیان کی۔[۱]

(۱) عبداللہ بن معاویہ الجمحی (المتوفی ۲۴۳ھ)
(۲) علی بن حجر المروزی (المتوفی ۲۴۴ھ)
(۳) سوید بن نصر بن سوید المروزی (المتوفی ۲۴۰ھ)

---

[۱]- احمد محمد شاکر: شرح جامع ترمذی جلد اول صفحہ ۸۲ - ۸۱

(۴) قتیبہ بن سعید الثقفی ابو رجاء (المتوفی سنہ ۲۴۰ھ)
(۵) ابو مصعب احمد بن ابی بکر الزہری المدنی (المتوفی سنہ ۲۴۲ھ)
(۶) محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب (المتوفی سنہ ۲۴۴ھ)
(۷) ابراہیم بن عبد اللہ بن حاتم الہروی (المتوفی سنہ ۲۴۴ھ)
(۸) اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری السُدّی (المتوفی سنہ ۲۴۵ھ)

احمد محمد شاکر نے امام ترمذیؒ کے اساتذہ کی مذکورہ بالا فہرست قلمبند کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے:-

"وغیر هؤلاء ایضاً، وکثیر منهم من شیوخ البخاری والترمذی تلمیذ البخاری وخریجه"

(ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔ اور ان میں سے اکثر امام بخاریؒ کے اساتذہ ہیں اور ترمذی بھی بخاری کے شاگرد ہیں اور ان سے روایت کرتے ہیں)۔ [1]

سمعانی نے امام ترمذیؒ کے اساتذہ کی فہرست یوں قلمبند کی ہے:-

"تلمذ لابی عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری ویشارکه معه فی شیوخه مثل قتیبة بن اسمٰعیل العلانی وعلی بن حجر المروزی وهناد بن السری وابا کریب محمد بن العلاء الکوفیین ومحمد بن بشار، محمد بن موسیٰ المزمن البصریین، عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی السمرقندی وجماعة کثیرة فی اهل العراقیین والحجاز"

(ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری سے تلمذ حاصل کیا اور ان کے بہت سے اساتذہ سے بھی اخذ کیا مثلاً قتیبہ بن اسماعیل العلانی، علی بن حجر المروزی، ہناد بن السری، ابو کریب محمد بن العلاء الکوفیین، محمد

---

[1] احمد محمد شاکر: شرح جامع ترمذی، جلد اوّل صفحہ ۸۲-۸۱

بن بشار، محمد بن موسیٰ الزمن البصریین، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی السمرقندی اور اہل عراق وحجاز کی ایک کثیر جماعت ۔ ؎۱

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کے شیوخ کا ذکر یوں کیا ہے :-

"سمع الترمذی قتیبۃ بن سعید وابا مصعب وابراھیم بن عبداللہ الھروی واسمٰعیل بن موسیٰ السدوی وسوید بن نصر وعلی بن حجر ومحمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب وعبداللہ بن معاویہ الجمحی وطبقتھم وتفقہ فی الحدیث بالبخاری"

(امام ترمذیؒ نے قتیبہ بن سعید، ابو مصعب، ابراہیم بن عبداللہ الھروی، اسمٰعیل بن موسیٰ السدوی، سوید بن نصر، علی بن حجر، محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب، عبداللہ بن معاویہ الجمحی اور ان کے طبقہ کے لوگوں سے حدیث سنی اور حدیث میں امام بخاریؒ سے تفقہ حاصل کیا) ؎۲

امام ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں :-

"اخذ الحدیث عن جماعۃ من ائمۃ الحدیث ولقی صدر الاول من المشائخ مثل قتیبۃ بن سعید ومحمود بن غیلان ومحمد بن بشار واحمد بن منیع ومحمد بن المثنیٰ وسفیان بن وکیع ومحمد بن اسمٰعیل البخاری وغیرھؤلاء واخذ الحدیث عن خلق کثیر لا یحصون کثرۃ ۔"

؎۱ ۔ سمعانی کتاب الانساب ۔ صفحہ ۱۰۶

؎۲ ۔ حافظ ذہبی : تذکرۃ الحفاظ ۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷-۱۸۸

(اُس نے ائمہ حدیث کی ایک جماعت سے علم حدیث حاصل کیا اور اساتذہ کے صدر اوّل سے ملاقات کی جیسا کہ قتیبہ بن سعید، محمود بن غیلان محمد بن بشار، احمد بن منیع، محمد بن المثنیٰ، سفیان بن وکیع، محمد بن اسمٰعیل بخاری اور ان کے علاوہ دوسرے بھی اور بہت سے لوگوں سے حدیث حاصل کی جن کا شمار ممکن نہیں) [1]

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں :-

"اخذ عن البخاری و بہ تخریج و عن مسلم و ابی داؤد وعن شیوخہم بالبصرۃ والکوفۃ و واسط وری وخراسان والحجاز ..... وشارک البخاری فی بعض شیوخہ مثل قتیبہ بن سعید و علی بن حجر وابن بشار و غیرہم ـ"

(اس نے امام بخاریؒ سے علم حاصل کیا اور روایت بیان کی اور مسلم، ابوداؤد اور ان کے اساتذہ جو کہ بصرۃ، کوفہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز میں تھے ..... اور امام بخاریؒ کے بعض اساتذہ مثلاً قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، اور ابن بشار وغیرہ سے بھی اشتراک حاصل کیا) [2]

شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی نے اس کو یوں لکھا ہے :-

"ترمذی شاگرد رشید بخاری است و اورا آموختہ واز مسلم و ابی داؤد و شیوخ ایشاں نیز روایت دارد۔"

(امام ترمذیؒ امام بخاریؒ کے شاگرد رشید ہیں اور ان کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور امام مسلمؒ امام ابوداؤدؒ اور ان کے اساتذہ سے بھی روایت بیان کرتے ہیں) [3]

---

[1] امام ولی الدین خطیب: اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۵۳۔

[2] نواب صدیق حسن خاں: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ۔ صفحہ ۱۲۶۔

[3] شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی۔ بستان المحدثین صفحہ ۱۰۹۔۱۰۸۔

علامہ مبارکپوری رح نے امام ذہبی کے مذکورہ بالا قول کو نقل کر کے لکھا ہے :-

"قلت وسمع الترمذی من الامام مسلم صاحب الصحیح ایضاً لکن لم یرو فی جامعہ عنہ الا حدیثاً واحداً"۔

(امام ترمذی رح نے امام مسلم رح سے بھی حدیث سنی لیکن اپنی جامع میں ان سے صرف روایت بیان کی) لہ

اور اس کے بعد حافظ العراقی شارح ترمذی کے حوالہ سے لکھا ہے :-

"لم یروا المصنف فی کتابہ شیئاً عن مسلم صاحب الصحیح الا ھذا الحدیث یعنی حدیث احصوا ھلال شعبان لرمضان وھو من روایۃ الاقران فانھما اشترکا فی کثیر من شیوخھما"۔

(مصنف یعنی امام ترمذی رح نے اپنی کتاب میں امام مسلم رح صاحب الصحیح سے سوائے ایک حدیث یعنی حدیث "احصوا ہلال شعبان لرمضان" کے اور روایت بیان نہیں کی- اور یہ مشترک روایت ہے کیونکہ دونوں بہت سے اساتذہ سے اشتراک کرتے ہیں) کہ

لیکن امام ترمذی رح نے اپنے تمام اساتذہ میں سب سے زیادہ فیض امام بخاری رح سے حاصل کیا- اور ان کے ساتھ خصوصی تعلق کی بنا پر بعض محدثین کے نزدیک خلیفۃ البخاری بھی کہلائے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے -

مولانا عبدالسلام مبارکپوری رح لکھتے ہیں :-

"امام ترمذی رح، امام صاحب (بخاری رح) کے ان تلامذہ میں سے ہیں جن کی عمر کا اکثر حصہ امام صاحب رح کے فیض تعلیم کا ممنون رہا - اسی لئے امام ترمذی رح امام بخاری رح کے ساختہ پرداختہ کہے جاتے ہیں - بعض محدثین نے امام بخاری رح

لہ عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۷ ؂

کہ عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۷ ؂

کا ان کو خلیفہ بھی لکھا ہے ۔" [۱]

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ تمام ائمہ حدیث جہاں ایک دوسرے سے تلمذ حاصل کرتے حدیث اخذ کرتے اور استفادہ حاصل کرتے تھے وہاں آپس میں مناظرہ بھی کرتے تھے اور ایک دوسرے کی مخالفت سے بھی دریغ نہ کرتے تھے کیونکہ ان کا اصل مقصد اتباع حق ہوتا اور جس بات کو حق سمجھتے اسے قبول کر لیتے تھے ۔ امام ترمذیؒ میں بھی یہی عادت تھی یہاں تک کہ آپ نے اپنے استاد خاص امام بخاریؒ سے بھی اختلاف میں گریز نہ کیا ۔ چنانچہ جب آپؒ نے حدیث "الاستنجا بالحجرین" میں راویوں کا اختلاف دیکھا تو آپؒ نے اس کے بارے میں حافظ دارمی سے پوچھا اور پھر امام بخاریؒ سے دریافت کیا کہ کونسی روایت زیادہ صحیح ہے؟ انہوں نے ان میں سے کسی روایت کو ترجیح نہ دی ۔ پھر آپؒ نے دیکھا کہ امام بخاریؒ نے ایک روایت کو اختیار کیا ہے اور اسے اپنی کتاب جامع الصحیح میں رکھا ہے ۔ امام ترمذیؒ نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ وہ اپنے استاد امام بخاریؒ کی اس بات میں تقلید کریں جس میں کہ آپ کو شبہ ہو ۔ تو آپؒ نے دلیل مل جانے پر دوسری روایت کو ترجیح دی ۔ [۲] احمد محمد شاکر شارح ترمذیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں :۔

"والترمذی تلمیذ البخاری وخریجه، وعنه اخذ علم الحدیث وتفقه فیه ومرن بین یدیه، وسأله واستفاد منه، وناظره فوافقه وخالفه، كعادة العلماء فی اتباع الحق حیث كان، وفی انكار التقليد والاعراض عنه ۔"

(امام ترمذیؒ، امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں اور آپؒ سے روایت کرتے ہیں آپؒ سے علم حدیث سیکھا اور اس میں تفقہ حاصل کرنا سیکھا اور آپؒ سے

۱؎ محمد عبد السلام مبارکپوری: سیرۃ البخاری، خاتمہ صفحہ ۱۲ ۔
۲؎ احمد محمد شاکر: شرح جامع ترمذی، جلد اول صفحہ ۸۲ ۔

تربیت حاصل کی۔ آپؒ سے پڑھا اور استفادہ حاصل کیا۔ آپؒ سے مناظرہ کیا تو موافقت کی اور مخالفت بھی کی جیسا کہ ان علماء کی عادت تھی کہ وہ حق جہاں بھی ہوتا اس کی اتباع کرتے اور تقلید سے انکار و اعراض کرتے۔[1]

---

[1] احمد محمد شاکر: شرح جامع ترمذی۔ جلد اوّل صفحہ ۸۲ ؎

علومِ اسلامیہ کی طلب میں امام ترمذیؒ کی رحلت

رحلت محدثین کی اصطلاح میں وہ سفر ہے جو حدیث یا حدیث کی اسنادِ عالی حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اصحاب رسولؐ اور تابعین و محدثین کو اس سفر کے ساتھ جیسا غیر معمولی شغف تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے ایک ایک حدیث کے لئے یا صرف اس کی جانچ کے لئے ایک ایک مہینہ کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے اور جب تک سن کر یاد نہ کر لیتے یا تحقیق نہ کر لیتے چین نہ آتا۔

چند واقعاتِ رحلت ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جن سے صحابہؓ و محدثین وغیرہم کے شوقِ رحلت پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

عبداللہ بن بریدہؓ کہتے ہیں کہ ایک صحابی مدینہ سے سفر کر کے مصر میں فضالہؓ بن عبید (جو ایک دوسرے صحابی تھے) کے پاس پہنچے اور ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ اپنی اونٹنی کو گھاس کھلا رہے ہیں۔ فضالہ نے دیکھتے ہی معمولی سلام و مصافحہ کے بعد مرحبا کہا۔ یہ سن کر صحابی مذکور نے فضالہ سے کہا "لم اتاک زائراً" میں آپ کے پاس ملاقات کی غرض سے نہیں آیا۔ بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ آپ اور میں دونوں نے جناب رسول اللہؐ سے ایک حدیث سنی تھی مجھے امید ہے کہ آپ کو یاد ہوگی اور آپ بھولے نہ ہونگے۔ فضالہ نے پوچھا "ما ھی" وہ کونسی حدیث ہے۔ صحابی مذکور نے کہا۔ "کذا کذا" فلاں حدیث ہے [1]۔

جابر بن عبداللہؓ (صحابی) کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہؐ کی ایک حدیث بواسطہ پہنچی جس کو بالمشافہ آپؐ سے نہیں سنا تھا۔ اس کی تحقیق کے لئے میں

---

[1] سیوطی: تدریب الراوی مبحث العبدالرحمٰن مبارکپوری سیرۃ البخاری حصہ اول صفحہ ۲۰۔

نے ایک اُونٹ خرید کیا اور اس پر پالان کس کر ایک ماہ کا سفر طے کر کے ملک شام میں داخل ہُوا۔ عبداللہ بن انیس (صحابیؓ) کے دروازے پر پہنچ کر دربان سے کہا اندر خبر کردو کہ جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ دربان نے خبر کی حکم ہُوا دریافت کرو کون جابر۔ کیا جابر بن عبداللہ؟ جابر نے کہا۔ ہاں۔ عبداللہ بن انیس یہ سُن کر بہت جلدی کپڑے سنبھالتے ہوئے نکلے سلام اور معانقہ کے بعد جابر نے پوچھا کہ تمہاری روایت سے مجھے ایک حدیث قصاص پہنچی ہے جس کو میں نے خود رسول اللہؐ سے نہیں سُنا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ مبادا میری یا تمہاری موت آجائے اور اس دولت سے محروم ہی رہ جاؤں۔ یہ سُن کر عبداللہ بن انیس نے وہ حدیث بیان کر دی۔ [1]

وہب بن عبداللہ المعافری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک انصاری صحابی سفر کر کے مسلمہ بن مخلدؓ کے پاس پہنچے۔ اتفاقاً مسلمہ اس وقت نیند سے سو رہے تھے۔ انصاری صحابی نے کہا کہ مسلمہ کو جگا دو۔ لوگوں نے جگانے سے انکار کیا۔ لیکن بالآخر انصاری کے اصرار پر جگائے گئے۔ آواز سُن کر مسلمہ مرحبا کہتے ہوئے باہر آئے اور عرض کیا سواری سے اتریئے۔ انصاری نے کہا جب تک تم عقبہ بن عامر کو نہ بلاؤ گے میں سواری سے نہ اُتروں گا۔ مجھے اُن سے ایک سخت ضرورت ہے۔ مسلمہ نے عقبہ بن عامر کو بلایا۔ جب عقبہ آئے تو انصاری نے کہا۔ کیا تم نے رسول اللہؐ کو فرماتے سُنا ہے کہ

"من وجد مسلماً علیٰ عورۃ فسترہ فکانما احییٰ موؤدۃ من قبرھا" (جس نے کسی مسلمان کو ننگا پایا اور اسے ڈھانپ دیا تو گویا اس نے قبر سے مُردے کو زندہ کیا) عقبہ نے کہا۔ ہاں میں نے رسول اللہؐ سے سُنا ہے کہ آپؐ ایسا فرماتے تھے۔ [2]

ابی العالیہ کہتے ہیں "ہم لوگ بصرہ میں جن جن حدیثوں کو سُنتے پھر مدینہ

---

[1] سیوطی: تدریب الراوی: بحوالہ عبدالسلام مبارکپوری: سیرۃ البخاری حصہ اوّل صفحہ ۲۰-۲۱۔

[2]

انہی کی تحقیق کے لئے سفر کرتے کہ صحابہؓ کی زبان سے بلا واسطہ سُنیں"۔

ابراہیم بن اُدہم جو بہت بڑے بزرگ اور صوفی ہوئے ہیں فرماتے ہیں "ان اللہ یرفع البلاء عن ھٰذہٖ الامۃ برحلت اصحاب الحدیث۔" اللہ تعالےٰ اس اُمت سے مصیبتوں کو اصحابِ حدیث کی رحلت کی برکتوں سے اُٹھا لیتا ہے۔) یحییٰ بن معین بڑے پایہ کے محدّث ہیں۔ فرماتے ہیں "لا تونس رشدا من رجل یکتب فی بلدہٖ ولا یرحل" (کبھی ایسے شخص کو راہ یابی نہیں ہوسکتی جو اپنے ہی شہر میں حدیثیں لکھا کرے اور سفر نہ کرے)

غرضیکہ صحابہؓ و تابعین اور محدّثین کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالنے سے عیاں ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے دلوں میں تحصیل علم اور طلب حدیث کے لئے ایک ایسا ولولہ تھا جو ان کو کسی شہر یا ملک میں قرار نہ لینے دیتا تھا۔ اور ایک سمندر سے دوسرے سمندر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں لئے پھرتا۔ محدّثین کے حالات پڑھنے سے لفظِ "رحلت" بجائے خود ایک مقدس لفظ معلوم ہونے لگتا ہے۔

قطع نظر ان واقعات کے خود قرآنِ پاک اس مبارک سفر کے لئے تاکید فرماتا ہے:۔

"فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا"

(کیوں نہیں سفر کرتے ہر جماعت سے چند لوگ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب پلٹ کر آئیں) [1]

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس بارے میں تاکید مزید کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اطلبوا العلم ولو کان بالصین" (علم حاصل کرو

---

[1] القرآن: سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۲۲۔

خواہ چین کیوں نہ جانا پڑتا) ۔

محدثین نے رحلت کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ جب رحلت کا قصد ہو تو اپنے وطن کے رواۃ سے جس قدر حدیثیں مل سکیں ان کو حاصل کر لو ۔

" واذا عزم علی الرحلۃ فلا یترک فی بلدہ من الرواۃ الا و یکتب عنھم ما تیسّر من الاحادیث وان قلت "

امام ترمذی رضؓ کو جب یہ سفر درپیش ہوا تو وہ ایسا وقت تھا کہ فتوحات کی کثرت اسلامی مقبوضات کی وسعت اور تہذیب و تمدن کی ترقی کی بنا پہ اصحاب رسولؐ اور صحابہؓ کے تابعین اور تبع تابعین دُور دراز ملکوں میں پھیل چکے تھے ۔ حاملین حدیث دُور دُور کے بلاد و امصار میں اپنا فیض جاری کر رہے تھے ۔ حرمین کو اس وجہ سے کہ علوم اسلامیہ کے اصلی مراکز اور مہبطِ وحی ہیں ایک خاص امتیاز حاصل تھا ۔ تاہم صحابہؓ و تابعین کی ایک بڑی جماعت دُوسرے ممالک میں سکونت پذیر ہو چکی تھی ۔ اس وجہ سے ایسے شخص کو جس نے علوم دینیہ کے شوق میں آنکھیں کھولی ہوں اور اس کی وطن میں نشو و نما پائی ہو ایک طول طویل ، لامحدود سفر کے لئے تیار ہونا لازمی تھا ۔ اس کام کے لئے ایسا ہی مضبوط حوصلہ ، ایسی ہی عالی ہمتی ، وسعت دماغی اور کشادہ دلی کی ضرورت تھی جیسی کہ خدا تعالٰے نے فطرتاً امام ترمذی رضؓ میں ودیعت کی تھی ۔ سفر کے مصائب سے دل تنگ نہ ہونا ، فاقوں پر فاقے آنے پر بھی حوصلہ کا پست نہ ہونا ، سواری نہ ہونے کی حالت میں پا پیادہ سفر کرتے رہنا ۔ سخت سے سخت مشکلات میں پیشانی پر بل نہ آنے دینا ، دل میں جو آتش شوق بھڑکی ہوئی ہے ہزاروں مشکلات جھیلنے پر بھی نہ بجھنا ، سفر کی تکلیفوں کو راحت سمجھنا اور اس کے لئے اپنی دولت اور زندگی کو نذر کر دینا کسی معمولی دل و دماغ اور کم ہمت و حوصلے والے آدمی کا کام نہ تھا ۔ بلکہ یہ وہ اوصاف ہیں جنہوں نے امام ترمذی رحؒ کو بڑے بڑے آئمہ کا ہم پلہ بنا دیا ۔ ان کی جانفشانی

اور اس کے ساتھ سیلانِ ذہن، بلند حوصلگی اور قوتِ حافظہ نے اس پر چار چاند لگا دیئے تھے۔

امام ترمذی رح نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی ملک کے اساتذہ سے حاصل کی اور علوم متداولہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد طلب حدیث میں ممالکِ اسلامیہ کا سفر اختیار کیا۔ اس بارے میں حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ امام نے مختلف ممالک کا سفر کیا اور خراسان و عراق و حجاز کے کثیر علماء سے حدیث کو سُنا۔ کہتے ہیں:-

"احد الائمة طاف البلاد وسمع خلقاً من الخراسانيين والعراقيين والحجازيين وقد ذكروا في هذا الكتاب"

(ائمہ میں سے ایک ہیں انہوں نے بہت سے شہروں کا سفر کیا اور خراسان، عراق اور حجاز کے بہت سے لوگوں سے حدیث سُنی) [1]

شاہ عبدالعزیز دہلوی رح نے اس بارے میں یوں لکھا ہے:-

"و در بصرہ و کوفہ و واسط و رے و خراسان و حجاز سالہا در طلبِ علمِ حدیث بسر کردہ"

(آپ نے بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز میں کئی سال علمِ حدیث کی طلب میں بسر کئے) [2]

امام ترمذی رح کی رحلت کے بارے میں یہ واضح طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے مختلف ممالک اسلامیہ کا کس ترتیب سے سفر کیا اور آپکا وہاں کتنا کتنا عرصہ قیام رہا۔ تاہم مذکورہ حوالوں اور دیگر کتب سیرہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے تمام بلادِ اسلامیہ کے اہم مراکز کے سفر میں سالہا سال گزارے اور کثیر التعداد اساتذہ حدیث سے علمِ حدیث اخذ کیا۔

---

[1] ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۷

[2] شاہ عبدالعزیز دہلوی رح: بستان المحدثین صفحہ ۱۰۹

آپ کی رحلت کا ایک حصہ ملکِ حجاز میں گذرا جو علوم اسلامیہ کا ماویٰ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مسکن، نزولِ وحی کا مقام، اصحابِ رسولؐ کا وطن، اور اسلام کا مرکز تھا۔ جہاں بڑے بڑے مرجعِ خلائق اور امامِ فن لوگ موجود تھے۔ آپ نے عراق (یعنی کوفہ و بصرہ) کا بھی قصد کیا جو وسعتِ علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے بہت عروج پر تھے۔ اسی طرح خراسان، رے اور واسط وغیرہ بھی جو علمی اعتبار سے اس وقت بہت اہمیت رکھتے تھے۔

لیکن یہ گمان کیا جاتا ہے کہ امام ترمذیؒ بغداد نہیں گئے کیونکہ اگر آپ وہاں جاتے تو امام احمد حنبلؒ سے ضرور آپ کی ملاقات ہوتی۔ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے :۔

"ولکنی لا اظنه دخل بغداد، اذلو دخلها لسمع من سید المحدثین وزعیمهم الامام احمد بن محمد بن حنبل۔ (المتوفی ۲۴۱ھ)"

(لیکن میں گمان نہیں کرتا کہ آپ بغداد گئے ہوں کیونکہ اگر آپ وہاں گئے ہوتے تو سید المحدثین و زعیم المحدثین امام احمد بن محمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) کو ضرور سنتے) [۱]

تاہم امام ترمذیؒ کی رحلت کا میدان بہت وسیع ہے جیسا کہ عبدالسلام مبارکپوریؒ نے لکھا ہے :۔

"سفر طلب علمی اور نشر علوم کا میدان بہت وسیع ہے۔ بصرہ، کوفہ، واسط رے، خراسان، حجاز ..... یہ سب امام ترمذیؒ کے سفر کی جولان گاہ ہے۔" [۲]

---

[۱] احمد محمد شاکر: شرح جامع ترمذی جلد اوّل صفحہ ۸۳

[۲] مولانا عبدالسلام مبارکپوری: سیرۃ البخاری خاتمہ صفحہ ۱۳

وفات

ولادت کی طرح امام ترمذی رضؒ کی تاریخ وفات میں بھی علماء اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض نے آپ کی تاریخ وفات ۲۷۵ھ اور بعض نے ۲۷۹ھ لکھی ہے۔ اسی طرح بعض نے آپ کی جائے وفات قریہ بوغ بتائی ہے اور بعض نے ترمذ لکھی ہے۔ سمعانی نے کتاب الانساب میں "الترمذی" کے عنوان کے تحت لکھا ہے:۔

"توفی بقریة بوغ سنة نیف و سبعین و مائتین، احد قری الترمذ۔"

(قریہ بوغ میں دو سو ستر سے کچھ اوپر برس میں فوت ہوا، جو کہ ترمذ کا ایک گاؤں ہے) [۱]

اور اسی کتاب میں "البوغی" کے عنوان کے تحت اس نے لکھا ہے:۔

"مات بقریة بوغ سنة ۲۷۵"

(قریہ بوغ میں ۲۷۵ھ میں فوت ہوا) [۲]

یاقوت، ابن الاثیر اور ابن حطیب الدھشہ نے بھی سمعانی کے پہلے قول کی تائید کی ہے۔ [۳]

لیکن صحیح رائے وہی ہے جس کو حافظ المزی نے "تہذیب" میں حافظ ابن العباس جعفر بن محمد بن المعتز المستغفری سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے:۔

---

[۱] السمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶۔

[۲] السمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۹۵۔

[۳] یاقوت: معجم البلدان جلد۲ صفحہ ۲۰۶۔ ابن الاثیر: اللباب فی تہذیب الانساب صفحہ ۱۷۴۔ ابن حطیب الدھشہ: تحفۃ ذوی الارب صفحہ ۱۴۳۔

"قال المستغفری: مات ابو عیسیٰ الترمذی بترمذ لیلة الاثنین لثلاث عشرة لیلة مضت من رجب سنة ۲۷۹" [۱]

(المستغفری نے کہا ہے: ابو عیسیٰ الترمذی ترمذ میں ۲۷۹ھ ۱۲ رجب کی پیر کی رات کو فوت ہوئے)۔

اسی قول پر ابن خلکان، امام ولی الدین خطیب، حافظ ذہبی، نواب صدیق حسن خان، شاہ عبدالعزیز دہلوی، احمد محمد شاکر شارح ترمذی، مشہور مستشرق براکلمن اور دیگر علماء نے اعتماد کیا ہے اور اسے درست پایا ہے۔ [۲]

البتہ الزرکلی اور سرکیس نے سال وفات تو ۲۷۹ھ لکھا ہے لیکن جائے وفات سے اختلاف کیا ہے اور سمعانی کے قول کے مطابق قریہ بوغ لکھا ہے۔ [۳]

علامہ حاجی خلیفہ چلپی اور ابن حجر عسقلانی نے صرف سال وفات ۲۷۹ھ تحریر کیا ہے اور جائے وفات کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ [۴]

امام ترمذیؒ کی وفات کے بارے میں المستغفری کا قول اس وجہ سے درست ہے کیونکہ وہ بہت بڑا مؤرخ ہے اور اس نے خراسان وغیرہ کا سفر کیا ہے اور اس علاقہ میں قیام بھی کیا ہے جیسا کہ سمعانی اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے [۵] تاہم آپؒ کی جائے وفات کے بارے میں دور جدید کے عالم احمد محمد شاکر شارح ترمذی کا یہ قول درست معلوم ہوتا ہے: ۔

---

[۱] حافظ المزّی: تہذیب۔ صفحہ [۲] ابن خلکان: وفیات الاعیان جلد دوم صفحہ ۲۸۳۔ امام ولی الدین خطیب: اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۶۱۲، حافظ ذہبی: میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۱۷ و تذکرۃ الحفاظ جلد دوم صفحہ ۱۸۸، نواب صدیق حسن خان الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۶۔ احمد محمد شاکر: شرح جامع ترمذی جلد اوّل صفحہ ۹۱ براکلمن: تاریخ الادب العربی جلد ۳ صفحہ ۱۹۵۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی: بستان المحدثین صفحہ ۱۱

[۳] الزرکلی: قاموس الاعلام عنوان ترمذ، سرکیس: معجم المطبوعات صفحہ ۶۳۲۔ [۴] حاجی خلیفہ چلپی: کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۵۵۹، ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب جلد

تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۷۔ [۵] السمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۲۸ [۵] حافظ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۸۳۔

"ومن كل ما تقدم نرجح ان الترمذى ولد بقرية " بوغ "
ومات بها وان الذين قالوا انه ولد ومات ببلدة " ترمذ "
انما تجوّزوا فارادوا القرية القريبة منها، التابعة لها
ومثل هذا كثير" ۔

ترجمہ: (اور جو کچھ اوپر گزر چکا ہے ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ امام ترمذی
"بوغ" میں پیدا ہوئے اور وہیں اُن کی وفات ہوئی اور جن لوگوں نے
یہ کہا ہے کہ وہ شہر ترمذ میں پیدا ہوئے اور وہیں فوت ہوئے ... اُنہوں
نے تجاوز کیا کیونکہ ان کا مقصد اس سے قریبی گاؤں سے تھا جو اس کے تحت
ہے اور اس کی بے شمار مثالیں ہیں ۔ [1]

مقالہ نگار کی رائے

ہمارا خیال ہے کہ امام ترمذیؒ کا سن ولادت
۲۰۹ھ اور سن وفات ۲۷۹ھ درست ہے

اور جن سیرت نگاروں نے آپ کا سن ولادت ۲۰۰ھ اور سن وفات ۲۷۵ھ تحریر
کیا ہے انہوں نے غالباً ترمذی نسبت رکھنے والے ایک دوسرے عالم" ابو جعفر
محمد بن احمد نصر الفقیہ الشافعی الترمذی" کے ساتھ مغالطہ کھایا ہے کیونکہ ان
کی ولادت کا سن ۲۰۰ھ اور وفات کا سن ۲۷۵ھ ہے جیسا کہ ابن الاثیر
نے لکھا ہے :۔

" وابو جعفر محمد بن احمد بن نصر الفقیہ الشافعی الترمذی .....
مات فی المحرم سنة خمسين ومائتين ومولده ما ئتين ۔"

(اور ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر الفقیہ الشافعی الترمذی .... محرم ۲۷۵ھ
میں فوت ہوئے اور ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے) [2]

بہر کیف ہمارے ممدوح امام ابو عیسیٰ الترمذی تقریباً ستر برس کی عمر پاکر
بروز پیر ۱۳ رجب ۲۷۹ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے " انا للہ وانا الیہ
راجعون "

---

[1] احمد محمد شاکر: شارح جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹ ۔ [2] ابن الاثیر: اللباب فی تہذیب الانساب جلد ۱ صفحہ ۱۷۴

تلامذہ

محدثین کے نزدیک اُستادی اور شاگردی کا تعلق نہایت قوی تعلق سمجھا جاتا ہے اور اس تعلق کا خصوصیت کی نگاہ سے دیکھا جانا کچھ ایشائی ملکوں تک محدود نہیں ہے بلکہ افریقہ، یورپ اور تمام مشرق و مغرب میں جس محدث کے بھی حالات دیکھے جائیں مورخ خصوصیت سے دس پانچ مشاہیر کے نام گنائے گا اور یہ بتا کر اپنا فرض ادا کریگا کہ اس محدث کے حلقہ درس میں فلاں فلاں مشاہیر نے تعلیم پائی اور اس کی علمی مجلسوں کی رونق ایسے لوگ تھے۔

محدثین میں یہ تعلق اس قدر رفعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے صاحب کمال جن کی جامعیت آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن ہے کسی باکمال شیخ کی طرف بواسطہ منسوب ہونا بھی بڑے فخر کی بات سمجھتے۔ حافظ ابن حجر کی جامعیت سے کون ناواقف ہے۔ حافظ ذہبی کا نام آتا ہے تو شیخ شیخنا لکھا کرتے ہیں۔ یہ تعلق عامہ اگرچہ حلقہ محدثین میں نہایت قوی تعلق سمجھا گیا ہے۔ تاہم بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے اُستاد کے ساتھ کچھ ایسی خصوصیت ہوتی ہے کہ جہاں استاد کا نام آتا ہے ممکن نہیں کہ ان کا نام نہ آئے۔

امام ترمذیؒ کی خصوصیات زندگی میں سب سے بڑی خصوصیت صحیح حدیثوں کا جمع وانتخاب اور ان کی ترویج اور فقہ الحدیث کی ترتیب و تدوین ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اس کام میں آپ کے جن تلامذہ نے حصہ لیا اور آپ کے اس مہتم بالشان کام کو نہایت سرگرمی سے انجام دیا جن سے آپ کا مجموعہ احادیث تمام دنیائے اسلام میں مقبول و معروف ہوا۔ انہیں کا ذکر

نہ کیا جائے۔ حالانکہ ان تلامذہ کے ذکر سے اس کام کی اہمیت اور خوبی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی امام کی بلند پائیگی بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ جس کے تلامذہ اس رتبہ کے ہوں وہ خود کس پایہ کا ہوگا؟

امام ترمذیؒ کا حلقہ درس وتدریس اس قدر وسیع ہے کہ آپ کے تمام تلامذہ کا احاطہ ایک امر دشوار ہے تاہم تذکرہ نویسوں نے جو مختلف نام گنوائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ سمعانی نے لکھا ہے :-

"روی عنه محمد بن سهل الغزالی ویکذ بن محمد الدهقان وابو النصر الرساوی وابو علی بن الحرب الحافظ وحماد بن ساکر النسفی وابو العباس المحبوبی المروزی والهیثم بن کلیبه الشاشی"۔

(آپ سے محمد بن الغزالی، یکذ بن محمد الدہقان، ابو النصر الرساوی ابو علی بن الحرب الحافظ، حماد بن ساکر النسفی، ابو العباس المحبوبی المروزی اور الهیثم بن کلیبه الشاشی نے روایت بیان کی) [1]

حافظ ابن حجر کہتے ہیں :-

"روی عنه ابو حامد احمد بن عبد الله بن داؤد المروزی التاجر والهیثم بن کلیب الشاشی ومحمد بن محبوب ابو العباس المحبوبی المروزی واحمد بن یوسف النسفی وابو الحارث اسد بن حمدویه وداؤد بن نصر بن سهیل البزدوی وعبد بن محمد بن محمود النسفی ومحمود بن نمیر وابنه محمد بن محمود ومحمد بن مکی بن نوح (نوح) وابو جعفر محمد بن سفیان بن النضر النسفیون ومحمد بن المنذر ابن سعید الهروی وآخرون۔"

(آپؒ سے ابو حامد احمد بن عبد اللہ بن داؤد المروزی التاجر، الهیثم بن کلیب الشاشی، محمد بن محبوب ابو العباس المحبوبی المروزی، احمد بن یوسف

[1] سمعانی : کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶

النسفی، ابو المحارث اسد بن حمدویہ، داؤد بن نصر بن سہیل البزدوی، عبد بن محمود النسفی، محمود بن نمیر اور اس کے بیٹے محمد بن محمود، محمد بن مکی بن نوح ابو جعفر محمد بن سفیان بن النضر النسفیون، محمد بن المنذر ابن سعید الہروی اور دوسروں نے روایت بیان کی) [1]

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں یوں لکھا ہے :-

"حدث عنہ مکحول بن الفضل و محمد بن محمود بن عنبر و حماد بن شاکر و عبد بن محمد النسفیون والہیثم بن کلیب الشاشی واحمد بن علی بن حسنویہ وابو العباس المجبوبی وخلق سواھم"

(آپ سے مکحول بن الفضل، محمد بن محمود بن عنبر، حماد بن شاکر، عبد بن محمد النسفیون - ہیثم بن کلیب الشاشی، احمد بن علی بن حسنویہ، ابو العباس المجبوبی اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے حدیث بیان کی) [2]

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان ائمہ کبار کی عادت تھی کہ وہ اپنے سے چھوٹے سے بھی حدیث اخذ کر لیتے تھے اور اس میں کمتری محسوس نہ کرتے تھے۔ چنانچہ امام ترمذی رح سے اسی بنا پر امام بخاری رح نے حدیث حاصل کی جیسا کہ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے :-

"اخذ عنہ خلق کثیر ومن مناقبہ ان البخاری روی عنہ حدیثا خارج الصحیح وحسبہ بذالک فخرا"

(آپ سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا - اور آپ کے مناقب میں یہ بھی ہے کہ امام بخاری رح نے آپ سے ایک حدیث روایت کی ہے جو آپ کی کتاب صحیح سے باہر ہے اور آپ کیلئے یہی فخر کافی ہے) [3]

---

[1] ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۷ ؛ [2] حافظ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد دوم صفحہ ۱۸۷ ؛ [3] نواب صدیق حسن خاں: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۷ ؛

احمد شاکر شارح ترمذی نے بھی اس کی تائید ان الفاظ میں کی ہے:۔

"وقد اراد البخاری ان یشهد لتلمیذه الترمذی شهادة قیمة فسمع منه حدیثا واحدا، کعادة کبار الشیوخ فی سماعهم عن هو اصغر منهم، رحمهم الله الجمیع"

(امام بخاریؒ نے ارادہ کیا کہ وہ امام ترمذیؒ کے شاگرد ہونے کا ثبوت دیں پس انہوں نے آپ سے ایک حدیث سنی، جیسا کہ بڑے بڑے اساتذہ کی عادت ہے کہ وہ اپنے سے چھوٹے سے بھی حدیث سن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم کرے) لہ

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

"قلت وحدث عنه الامام البخاری حدیثین احدهما حدیث ابن عباس فی قول الله عزوجل ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها قال اللینة النخلة الحدیث قال الترمذی بعد اخراجه فی تفسیر سورة الحشر سمع منی محمد بن اسمٰعیل هذا الحدیث، والثانی حدیث ابی سعید یسلی لا یحل لاحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری و غیرك۔ قال الترمذی بعد اخراجه فی مناقب علیؓ قد سمع محمد بن اسمٰعیل منی هذا الحدیث۔"

(میں کہتا ہوں امام بخاریؒ نے بھی آپؒ سے دو حدیثیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے اس قول "جو کچھ تم کھجور کے درخت سے کاٹتے ہو یا اس کو جڑوں پر قائم چھوڑ دیتے ہو" کے بارے میں ابن عباسؓ کی ایک حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا

لہ احمد محمد شاکر: شارح جامع ترمذی جلد اوّل صفحہ ۸۲۔

کہ "اللّبتہ" کے معنی "النخلہ" ہیں۔ امام ترمذی رحؒ نے اس حدیث کو سورۃ الحشر کی تفسیر میں روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ محمد بن اسمٰعیل نے مجھ سے یہ حدیث سنی۔ اور دوسری حدیث ابو سعید رضؓ کی ہے کہ "اے علی رضؓ میرے اور تیرے سوا کسی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس مسجد میں جنابت کی حالت میں آئے"۔ امام ترمذی رحؒ نے اس حدیث کو حضرت علی رضؓ کے مناقب میں بیان کر کے لکھا ہے کہ محمد بن اسمٰعیل نے مجھ سے یہ حدیث سنی۔ [1]

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۸۷

فقہی مسلک

امام ترمذیؒ کا فقہی مسلک کیا تھا؟ اس بارے میں علماء نے مختلف آراء قائم کی ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آپؒ شافعی المذہب تھے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ حنبلی المذہب تھے۔ مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کو حنفی یا مالکی نہیں کہا گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نہ تو شافعی تھے اور نہ ہی حنبلی جیسا کہ آپ نہ تو حنفی تھے اور نہ ہی مالکی۔ بلکہ آپ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے مجتہد و غیر مقلد تھے اور آپ کا مسلک "اصحاب الحدیث" کا مسلک تھا۔ یہ بات آپ کی کتاب "جامع ترمذی" کے مطالعے سے بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:۔

"اعلم ان بعض العلماء الحنفية زعموا ان الامام اباعيسى الترمذى كان شافعى المذهب و بعضهم قالوا انه كان حنبلى المذهب وهذا قولهم بافواههم و باطل ما يزعمون والحق انه لم يكن شافعيا ولا حنبليا كما انه لم يكن مالكيا ولا حنفيا بل كان هو رحمه الله تعالىٰ من اصحاب الحديث متبعًا للسنة عاملا بها مجتهدا غير مقلد لاحد من الرجال وهذا ظاهر لمن قرأ جامعه وامعن النظر وتدبر فيه والعجب انهم كيف تفوهوا بانه كان شافعيا وحنبليا الم يعلموا انه لو كان شافعيا مقلدا للامام الشافعى لرجح مذهب امامه الشافعى فى جميع المواضع المختلف فيها او اكثرها على مذهب غيره وحماه ونصره وايده كما هو شان المقلدين لكنه لم يفعل ذالك بل رد فى بعض المواضع

من كتابه قول الشافعي ـ"

(بعض حنفی علماء کا خیال ہے کہ امام ابوعیسیٰ ترمذی شافعی المذہب تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ حنبلی المذہب تھے لیکن ان کے یہ سب اقوال باطل گمان ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ نہ تو وہ شافعی تھے۔ اور نہ ہی حنبلی جیسا کہ نہ وہ مالکی تھے اور نہ ہی حنفی بلکہ وہ اصحاب الحدیث میں سے تھے جو سنت کی پیروی اور اس پر عمل کرنے والے مجتہد غیر مقلد تھے اور یہ بات ہر اُس شخص پر روشن ہو جاتی ہے جو آپ کی کتاب جامع ترمذی کا مطالعہ کرے اور اس میں غایت نظر اور تدبّر سے کام لے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے کس طرح یہ گمان کر لیا کہ آپ شافعی یا حنبلی تھے۔ حالانکہ اگر شافعی ہوتے تو امام شافعی کی تقلید کرتے اور ان تمام مقامات میں جو مختلف فیہ یا شافعی مذہب کے خلاف ہیں امام شافعی کے مذہب کو ترجیح دیتے اور اس کی حمایت و مدد اور تائید کرتے جیسا کہ مقلدین کی شان ہے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ بعض مقامات پر آپ نے اپنی کتاب میں امام شافعی کے قول کو ردّ کر دیا ہے) [1]

اپنی اس رائے کے بعد مولانا مبارکپوری نے "الجامع الترمذی" سے ایک مثال بھی دی ہے۔ کہ امام ترمذی نے اپنی جامع باب "تاخیر الظہر فی شدۃ الحر" میں "حدیث الابراد" کی روایت کے بعد کہا ہے:۔

"وقد اختار قوم من اهل العلم تاخير صلوٰة الظهر في شدة الحر وهو قول ابن مبارك واحمد واسحق وقال الشافعي انما الابراد بصلوٰة الظهر اذا كان مسجد اينتاب اهله من اهله من البعد فاما المصلي وحده والذي يصلي في مسجد قومه فالذي احب له ان لا يوخر الصلوٰة في شدة الحر

[1] مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۳

معنی من ذهب الی تاخیر الظهر فی شدة الحر هو اولیٰ و
اشبه بالاتباع و اما ما ذهب الیه الشافعی ان الرخصة
لمن ینتاب من البعد و المشقة علی الناس فان فی حدیث
ابی ذر ما یدل علی خلاف ما قال الشافعی قال ابو ذر کنا
مع النبی صلی الله علیه وسلم فی سفر فاذن بلال بصلوٰة الظهر
فقال النبی صلی الله علیه وسلم یا بلال ابرد ثم ابرد" فلو
کان الامر علی ما ذهب الیه الشافعی لم یکن للابراد فی
ذالک الوقت معنی لاجتماعهم فی السفر وکانوا لا یحتاجون
ان ینتابوا من البعد۔"

(اہل علم میں سے ایک گروہ نے گرمی کی شدّت میں ظہر کی نماز میں تاخیر
کو پسند کیا ہے اور یہ ابن مبارک، احمد اور اسحٰق کا قول ہے۔ لیکن شافعی
کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا صرف اس وقت جائز ہے جبکہ
نمازی مسجد میں دُور سے آتے ہوں، مگر جب کوئی تنہا نماز پڑھے، یا
اپنے ہی محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرے تو اس کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے
کہ گرمی کی شدت میں بھی نماز میں تاخیر نہ کرے۔ در اصل جو گرمی کی شدّت
میں ظہر کی نماز میں تاخیر کے قائل ہیں وہ اتباع سنّت کے زیادہ قریب و
مشابہ ہیں اور جس بات کی طرف شافعی گئے ہیں وہ یہ ہے کہ دُور سے
آنے والے کے لئے بوجہ مشقت کے رخصت ہے۔ کیونکہ ابوذرؓ کی حدیث
شافعی کے قول کے خلاف دلالت کرتی ہے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ "ہم ایک
سفر میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے کہ حضرت بلالؓ ظہر کی نماز
کے لئے اذان کہنے لگے تو نبی کریمؐ نے فرمایا اے بلال ٹھنڈا کر پھر فرمایا
ٹھنڈا کر۔" پس اگر معاملہ ویسا ہی ہوتا جو کہ امام شافعی نے اختیار کیا
ہے تو اس وقت نماز کو ٹھنڈا کرنے کا کوئی مطلب نہ ہوتا کیونکہ وہ سب

سفر میں جمع تھے اور وہ دور سے آنے کی احتیاج نہیں رکھتے تھے) [1]

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے جامع ترمذی کے دیگر مقامات پر بھی اسی طرح کا رجحان ظاہر کیا ہے۔ مثلاً باب " الذی یصلی الفریضۃ ثم یؤم الناس بعد ذالک " میں کہا ہے کہ اس پر ہمارے اصحاب شافعی، احمد اور اسحٰق کا عمل ہے۔ پھر باب " الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ " میں کہا ہے کہ " حدیث غیلان " پر ہمارے اصحاب شافعی، اسحٰق اور احمد کا عمل ہے۔ اسی طرح باب " النہی عن المحاقلۃ والمزابنۃ " میں کہا ہے کہ یہ شافعی اور ہمارے اصحاب کا قول ہے۔ اور باب " ماجاء فی الصلوٰۃ فی مرابض الغنم واعطان الابل " میں کہا ہے کہ اس پر ہمارے اصحاب کا عمل ہے اور یہی احمد اور اسحٰق کہتے ہیں ۔۔۔۔

امام ترمذی رض کے یہ سب اقوال ثابت کرتے ہیں کہ وہ نہ تو شافعی تھے اور نہ ہی حنبلی بلکہ آپ کا فقہی مسلک اصحاب الحدیث کا مسلک تھا۔ اور ان مذکورہ اقوال میں " اصحابنا " سے مراد " اصحاب الحدیث " ہے۔ جیسا کہ مولانا مبارکپوری نے علامہ قاری سے نقل کیا ہے :-

" قال القاری فی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ فی شرح قول الترمذی فی خارجۃ الراوی وھو لیس بالقوی عند اصحابنا ای اھل الحدیث قالہ الطیبی "

(علامہ قاری نے اپنی کتاب " مرقاۃ شرح المشکوٰۃ " میں خارجہ راوی کے بارے میں امام ترمذی کے قول کی شرح میں کہا ہے کہ وہ ہمارے اصحاب یعنی اہل حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ طیبی نے اس کو بیان کیا) [2]

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری، مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۰۳

[2] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۰۴

علامہ مبارکپوری نے امام ترمذیؒ کے مسلک کو واضح کرنے کے لئے اصحاب صحاح ستہ کے فقہی مسلک کے بارے میں ایک حنفی عالم کا ذیل کا قول نقل کر کے اس پر بحث کی ہے :۔

" وقال بعض الحنفية فی تعليقه علی جامع الترمذی اما مذاهب ارباب الصحاح فقيل ان البخاری شافعی ولکن الحق ان البخاری مجتهد واما مسلم فلا اعلم مذهبه بالتحقيق واما ابن ماجه فلعله شافعی والترمذی شافعی واما ابوداؤد والنسائی فالمشهور انهما شافعيان ولکن الحق انهما حنبليان وقد شحنت کتب الحنابلة بروايات ابی داؤد عن احمد"

" ایک حنفی عالم نے جامع ترمذی پر تعلیق میں اصحاب ستہ کے مذاہب کے بارے میں لکھا ہے کہ کہا گیا ہے کہ امام بخاریؒ شافعی المذہب تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ مجتہد تھے اور امام مسلمؒ کا مذہب تحقیق سے مجھے معلوم نہیں اور ابن ماجہؒ شاید شافعی تھے اور ترمذیؒ بھی شافعی المذہب تھے۔ اور ابوداؤدؒ اور نسائیؒ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ دونوں شافعی تھے لیکن حق یہ ہے کہ وہ حنبلی تھے۔ اور حنبلیوں کی کتابیں ابوداؤد کی روایت سے بھری ہوئی ہیں جو کہ امام احمد سے منقول ہیں) [1]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام ائمہ حدیث کا مسلک ایک تھا اور جس طرح امام بخاریؒ مجتہد تھے ویسے ہی تمام اصحاب صحاح ستہ مجتہد تھے جیسا کہ علامہ مبارکپوری نے لکھا ہے :۔

" قلت کما ان البخاری کان متبعا للسنة عاملا بها مجتهدا غير مقلد لاحد من الائمة الاربعة وغيرهم کذالك مسلم والترمذی وابوداؤد والنسائیؒ وابن ماجه

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۷

کلھم کانوا متبعین للسنۃ عاملین بھا مجتھدین غیر مقلدین لاحد۔"

(میں کہتا ہوں کہ جس طرح امام بخاریؒ متبع سنت، عامل سنت اور مجتہد تھے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد نہیں تھے۔ اسی طرح امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ سب کے سب متبع سنت، عامل سنت اور مجتہد تھے اور کسی کے مقلد نہ تھے۔)[1]

رہا حنفی عالم کا مذکورہ قول . . . تو اس دلیل سے یہ ثابت کرنا کہ ابوداؤدؒ اور نسائیؒ حنبلی تھے کیونکہ حنبلیوں کی کتابیں ابوداؤد کی روائیتوں سے لبریز ہیں جو کہ ابوداؤد نے احمد سے نقل کی ہیں غلط ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حنبلیوں کی کتابیں ابوداؤد کی روایات سے لبریز ہیں اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خود بھی حنبلی ہوں نہ کہ اس حد تک کہنا کہ وہ دونوں حنبلی تھے جیسا کہ حنفیوں کی کتابیں بھی باوجودیکہ امام ابو یوسفؒ اور امام احمدؒ کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن یہ دونوں حنفی امام بھی امام ابو حنیفہ کے مقلد نہیں ہیں بلکہ کئی مقامات پر امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف کرتے ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کہتے ہیں کہ مذکورہ حنفی عالم نے اپنے اس قول سے کہ امام ابو داؤد اور امام نسائی حنبلی تھے یعنی امام احمد حنبل کے ہر حال میں غیر مشروط طور پر مقلد تھے اس نے آگاہی کے بعد رجوع کیا اور " جامع ترمذی " پر تعلیق میں ایک اور مقام پر یحییٰ بن سعید حنفی کے یہ الفاظ لکھے ہیں:-

" الا ان التقلید السلف کان التقلید فی الاجتھادیات التی لم یثبت فیھا المرفوع والموقوف لا کتقلیدنا۔"

(جان لو کہ علمائے سلف کی تقلید اجتہاد کے معاملہ میں تقلید تھی جس میں

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷

مرفوع اور موقوف کا اثبات نہیں ہوتا ۔ اور ہماری تقلید کی طرح نہ تھی،[1] تاہم یہ بھی کسی پختہ دلیل سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابوداؤد اور امام نسائی، امام احمد حنبل کے اجتہادیات میں مقلد تھے کیونکہ یہ محض "ظن" ہے اور ظن کے متعلق کہا جاتا ہے ۔ "وان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً ۔" اسی طرح اس حنفی عالم کا یہ کہنا کہ ابن ماجہ شاید شافعی تھے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کہنے والے کے نزدیک بھی ابن ماجہ شافعی نہیں تھے ۔

بہرکیف مذکورہ حنفی عالم کی رائے دلائل پر پوری نہیں اترتی، اور درست یہی ہے کہ تمام ائمہ حدیث متبع سنت، عامل سنت، مجتہد اور غیر مقلد تھے اور یہی مسلک امام ترمذی رح کا تھا ۔

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری ، مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۴ ۔

فضائل ومناقب

امام ترمذیؒ محدثین میں بڑا درجہ رکھتے ہیں اور امام حدیث و حافظ حدیث مانے گئے ہیں۔ آپ کو طلب علم اور اخذ حدیث کا اس قدر ذوق و شوق پیدا ہوا کہ آپ نے اپنا سب مال و متاع اور اپنی تمام زندگی اس راستے میں صرف کر دی۔ آپ کے فضائل و مناقب کا اندازہ کرنے کے لئے آپ کی صرف ایک تصنیف "الجامع الصحیح" ہی کافی ہے۔ تاہم آپ کی سوانحیات پر ایک نظر ڈالنے سے آپ کے اخلاق و محاسن اور صفات و محامد کی ایک ایسی جھلک نظر آتی ہے جو آپ کی شخصیت کو نہ صرف دوسروں سے منفرد کرتی ہے بلکہ آپ کی رفعت شان اور عظمت کردار کا بھی ایک بیّن ثبوت مہیا کرتی ہے۔ آپ کی سیرت ہر ملک اور ہر طبقہ کے افراد اور جماعتوں کے لئے بہترین نمونہ ہے اور کیوں نہ ہو؟ جس شخص نے دو جہان جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے خصائل و شمائل پر ایک باقاعدہ کتاب تصنیف کی اس کا اپنا کردار بھی تو یقیناً "اسوۂ رسولؐ" کے مطابق ہوگا۔ آپ کی سیرت و کردار کے بعض اہم پہلو درج ذیل ہیں:-

حفظ و یادداشت

امام ترمذیؒ کی سیرت میں سب سے نمایاں خصوصیت آپ کی قوت حافظہ اور یادداشت ہے۔ متقدمین و متاخرین علماء نے آپ کی شان میں جو اقوال کہے ہیں ان میں آپ کے "حفظ" کی ضرور تعریف کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں حافظ ادریسی کا یہ قول نقل کیا ہے:-

"کان ابو عیسیٰ یضرب بہ المثل فی الحفظ"

(ابو عیسیٰ کا حافظہ ضرب المثل تھا) [۱]

ابن العماد حنبلی نے لکھا ہے :-

"آیۃ فی الحفظ و الاتقان"

(حفظ و اتقان میں نمونہ تھے) [۲]

امام ولی الدین خطیب اور علامہ طاش کبری زادہ نے تحریر کیا ہے :-

"احد العلماء الحفاظ الاعلام"

(مشہور حفاظ علماء میں سے ایک تھے) [۳]

علامہ ابی الطیب سندی اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں :-

"الثقۃ الحافظ المتقین"

(ثقہ، حافظ اور صاحب ضبط تھے) [۴]

ابن الاثیر کا قول ہے :-

"کان اماماً حافظاً"

(وہ امام اور حافظ تھے) [۵]

شاہ عبدالعزیز دہلوی اس بارے میں لکھتے تھے :-

"ترمذی را در حفظ مثل نہ دانند"

(امام ترمذی حافظہ میں بے مثل تھے) [۶]

---

[۱] ابن حجر عسقلانی : تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۸

[۲] ابن العماد حنبلی : شذرات الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۷۴

[۳] ولی الدین خطیب : اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۵۳

[۴] ابی الطیب سندی : شرح ترمذی فی مجموعہ شروح الترمذی صفحہ ۲

و عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۹

[۵] ابن الاثیر : تاریخ الکامل جلد ۷ صفحہ ۱۶۴

[۶] شاہ عبدالعزیز دہلوی : بستان المحدثین صفحہ ۱۰۹

حافظ ذہبی نے امام ترمذیؒ کی قوّت حافظہ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے :-

" وقیل ان بعض المحدثین امتحن ابا عیسیٰ بان قراء له اربعین حدیثا من غرائب حدیثه فادعاها من صدره فقال ما رأیت مثلك ـ "

(اور کہا گیا ہے کہ بعض محدثین نے ابو عیسیٰ کا امتحان اس طرح کیا کہ آپؒ کے سامنے چالیس نادر حدیثیں پڑھیں تو آپ نے انہیں فی الفور دہرا دیا اس پر اس شخص نے کہا کہ میں نے آپؒ کی مانند کوئی نہیں دیکھا) [1]

ایک دوسری روایت حافظ ادریسی سے منقول ہے جسے حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے :-

" قال الادریسی فسمعت ابا بکر بن احمد بن محمد ابن الحارث المروزی الفقیه یقول سمعت احمد بن عبد الله بن داؤد یقول سمعت ابا عیسیٰ الترمذی یقول کنت فی طریق مکة و کنت قد کتبت جزء من احادیث شیخ فمر بنا ذالك الشیخ فسألت عنه فقالوا فلان فرحت الیه وانا اظن ان الجزئین معی وانما حملت معی فی محملی جزئین غیرهما شبیها فاذا ظفرت سألته السماع فاجاب واخذ یقرأ من حفظه ثم لمح فرأی البیاض فی یدی فقال اما تستحیی منی فقصصت علیه القصة وقلت له انی احفظه کله فقال اقرأ فقرأته علیه علی الولاء فقال هل استظهرت قبل ان تجیئ الی قلت لا ثم قلت له حدثنی بغیره فقرأ علی اربعین حدیثا من غرائب حدیثه ثم قال هات فقرأت علیه من اوله الی اخره فقال ما رأیت مثلك "ـ

---

[1] حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ ؛

(ادریسی نے کہا ہے کہ میں نے ابو بکر بن احمد بن محمد بن حارث مروزی فقیہ کو یہ کہتے سُنا کہ میں نے احمد بن عبداللہ بن داؤد کو یہ کہتے سنا کہ میں نے ابو عیسیٰ ترمذی کو یہ کہتے سُنا کہ " میں مکہ کے راستے پر تھا اور میں نے ایک شیخ کی روایات کے دو جزو لکھے۔ تو وہ شیخ ہمارے پاس سے گذرے میں نے ان کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے کہا فلاں شخص ہے میں اُن کی طرف گیا اور میں یہ گمان کرتا تھا کہ دونوں جزو میرے پاس ہیں حالانکہ میں کجاوے میں ان دو کے مشابہہ دوسرے دو جزو ہمراہ لے گیا تھا۔ پس جب میں اس کے قریب پہنچا تو میں نے اس سے سُنانے کی درخواست کی پس اس نے مان لیا اور اپنی یادداشت سے پڑھنا شروع کیا۔ پھر اس نے نگاہ ڈالی تو میرے ہاتھ میں سفید کاغذ دیکھا۔ پس اس نے کہا کہ تم مجھ سے کیوں نہیں شرماتے ؟ میں نے تمام قصہ ان سے بیان کر دیا اور کہا مجھے سب یاد ہیں۔ اس نے کہا کہ پڑھو تو میں نے اسے لگاتار پڑھ کر سُنائیں۔ تو اس نے کہا کیا تو نے میرے پاس آنے سے قبل یاد کی تھیں ؟ میں نے کہا نہیں پھر میں نے اس سے کہا کہ ان کے علاوہ مجھ سے حدیثیں بیان کر تو اس نے مجھ سے چالیس نادر حدیثیں پڑھیں اور کہا کہ سناؤ۔ پس میں نے ابتداء سے انتہا تک اسے سنا دیں تو اس نے کہا کہ میں نے تیری مانند کوئی نہیں دیکھا) [1]

اس دوسری روایت کو حافظ ذہبی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری [2] اور دیگر تذکرہ نویسوں نے بھی بیان کیا ہے۔ [2]

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اس روایت کو مختلف الفاظ میں قلمبند کیا ہے،

---

[1] ابن حجر عسقلانی : تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۸ ۔

[2] حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ ، عبدالرحمٰن مبارکپوری مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۸ ۔

اور آخر میں لکھا ہے :-

"و ایں قسم امتحانات در باب حفظ او بارہا واقع شدہ"

(ان کے حافظہ کے بارے میں اس قسم کے امتحانات بارہا واقع ہوئے)[1]

زہد و تقویٰ

امام ترمذیؒ بہت زیادہ تورع، زہد، تقویٰ اور خوف خدا رکھتے تھے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ برسوں خوف الٰہی سے روتے رہے اور اسی سے نابینا ہو گئے۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حاکم سے بیان کیا ہے :-

"وقال الحاکم سمعت عمر بن ملک یقول مات البخاری فلم یخلف بخراسان مثل ابی عیسیٰ فی العلم والحفظ والورع والزھد بکی حتی عمی وبقی ضریرا سنین۔"

(اور حاکم نے بیان کیا ہے کہ میں نے عمر بن ملک کو یہ کہتے سنا کہ امام بخاریؒ فوت ہوئے تو انہوں نے خراسان میں ابو عیسیٰ کی مانند علم، حفظ، تقوےٰ اور زہد والا کوئی جانشین نہیں چھوڑا۔ وہ روتے رہے یہاں تک کہ نابینا ہو گئے اور دو سال نابینا زندہ رہے)[2]

اس روایت کو حافظ ابن حجر، نواب صدیق حسن خاں اور عبد الرحمٰن مبارکپوری نے بھی نقل کیا ہے۔[3]

شاہ عبد العزیز دہلوی نے اس بارے میں لکھا ہے :-

"و تورع و زہد و خوف بحدی داشت کہ فوق آں متصور نیست بخوف

---

[1] شاہ عبد العزیز دہلوی: بستان المحدثین صفحہ ۱۰۹

[2] حافظ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷

[3] ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۹۔

نواب صدیق حسن خان: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۸،

عبد الرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۸ ۞

الہی بسیار گریہ و زاری کردو نابینا شد۔"

(تورع) زہد اور خوف خدا اس درجہ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں چنانچہ خوف الہی سے روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔[1]

مولانا عبدالسلام مبارکپوری لکھتے ہیں:-

"بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ غلبہ خوف خدا سے بہت روتے۔ کثرت بکا کی وجہ سے آنکھیں جاتی رہیں۔"[2]

تبحر علمی امام ترمذیؒ عالم، فاضل اور بہت بڑے محدث تھے۔ آپ کی علمی فضیلت محتاج بیان نہیں۔ اس کے لئے صرف آپ کی ایک تصنیف "جامع ترمذی" ہی کافی ہے۔ اسی سے آپ کی وسعت نظر، کثرت اطلاع، فقاہت اور تبحر علمی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس بارے میں علماء نے بھی اپنی آراء قائم کی ہیں۔ امام ولی الدین خطیب اور علامہ طاش کبری زادہ کے الفاظ یہ ہیں:-

"وھو احد العلماء الحفاظ الاعلام و له فی الفقه ید صالحة"

(وہ مشہور حفاظ علماء میں سے ایک ہیں اور انہیں علم فقہ میں کمال دسترس حاصل ہے)[3]

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:-

"وله فی الفقه والحدیث ید صالحة وکتابه جامع الصحیح یدل علی عظیم قدرة واتساع حفظه وکثرة اطلاعه وغایته تبحره فی ھذا الفن۔"

---

[1] شاہ عبدالعزیز دہلوی: بستان المحدثین صفحہ ۱۰۹۔ [2] عبدالسلام مبارکپوری سیرۃ البخاری خاتمہ صفحہ ۱۳۱+ [3] امام ولی الدین خطیب: اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۵۳، علامہ طاش کبری زادہ: مفتاح السعادۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱۔

(علم فقہ و حدیث میں انہیں مکمل دسترس حاصل ہے اور ان کی کتاب الجامع الصحیح ان کے بڑے مرتبے، وسعت حفظ، کثرت اطلاع اور اس فن میں گہرے تبحر پر دلالت کرتی ہے) [۱]

سمعانی اور ابن خلکان نے لکھا ہے :-

"احد الائمۃ الذین یقتدی بھم فی علم الحدیث"

(ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی علم حدیث میں پیروی کی جاتی ہے) [۲]

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ادریسی کا یہ قول نقل کیا ہے :-

"قال الادریسی کان الترمذی احد الائمۃ الذین یقتدی بھم فی علم الحدیث صنف الجامع والتواریخ والعلل تصنیف رجل عالم متقن کان یضرب بہ المثل فی الحفظ ۔"

(ادریسی نے کہا ہے کہ امام ترمذی ان ائمہ میں سے ہیں جن کی علم حدیث میں پیروی کی جاتی ہے۔ انہوں نے کتاب الجامع اور تاریخ و علل میں کتب تصنیف کیں۔ اس عالم و صاحب ضبط کی تصانیف ہیں جس کا حافظہ ضرب المثل تھا) [۳]

مولانا عبدالسلام مبارکپوری لکھتے ہیں :-

"امام ترمذیؒ کی وسعت نظر، کثرت اطلاع، دقت فہم، سیلان ذہن محتاج بیان نہیں جس نے جامع ترمذی اہل فن سے پڑھی ہے وہ مذکورۂ بالا اوصاف کا اندازہ کر سکتا ہے۔ جامع ترمذی کے مطالعہ سے محدثین کی بے تعصبی اور ان کے دائرۂ علمی کی وسعت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے ..... امام ترمذیؓ کی فقاہت اور تبحر کا اندازہ جامع ترمذی کے ابواب سے کیا جا سکتا ہے۔ سفر طالب علمی اور نشر علوم کا میدان نہایت وسیع ہے۔" [۴]

---

[۱] نواب صدیق حسن خاں: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۸ - [۲] سمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶، ابن خلکان: وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ [۳] حافظ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷ [۴] عبدالسلام مبارکپوری: سیرۃ البخاری خاتمہ صفحہ ۱۲ ۱۳

امام ترمذیؒ کے متعلق اکابر علماء کی آراء

کسی شخصیت کی عظمت کا صحیح اندازہ قائم کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے بارے میں اس کے اساتذہ، معاصرین اور متاخرین کی آراء کا جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ اُستاد کی رائے اس کے شاگرد کی نسبت جیسی معتبر اور صحیح ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے دوسروں کی نہیں ہو سکتی۔ اُستاد شاگرد کی ذہانت، طباعی، محنت، شوق، جفاکشی، فہم، فراست وغیرہ سے بہت کچھ واقف ہوتا ہے۔ اُستاد کو شاگرد کے طبعی یا کسبی جوہر کے جانچنے کا زیادہ موقع ملتا ہے کیونکہ وہ دوران درس شاگرد کی ہر ادا پر خوب نگاہ رکھتا ہے۔ پھر معاصرین کی آراء اس وجہ سے اہم ہوتی ہیں کہ ان کی چشمک سے بچنا ایک امر محال ہے جیسا کہ مشہور ہے "المعاصرۃ سبب المنافرۃ" (ہمعصری نفرت کا سبب ہوتی ہے) چنانچہ جو ہم فن ایک ہی زمانہ میں ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف کما حقہٗ نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ اور جب ایک ہی عہد کے دو ہم فن اہل کمال کے دل ٹٹولے جاتے ہیں تو ان کی باہمی بے پرواہی رقابت کے اثر سے کم و بیش پرخاش و مغایرت کی حد تک ترقی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ پھر متاخرین میں مداح بھی ہوتے ہیں اور تنقید و تنقیص کرنے والے بھی۔

امام ترمذیؒ کی شخصیت اس لحاظ سے قابل فخر ہے کہ اساتذہ و معاصرین سے لے کر متاخرین تک سب نے ہی آپ کی مدح کی اور آپ کی عظمت و رفعت میں آراء قائم کیں۔ ہر صدی کے اکابر علماء اور فضلاء نے آپ کے کمالات عالیہ کو نہ صرف حیرت کی نگاہ سے دیکھا بلکہ آپ کے فضل و کمال کا اعتراف ایسے الفاظ میں کیا ہے جن سے امام کی اعلیٰ درجہ کی علمی حیثیات

ثابت ہوتی ہے اور آپ کی خداداد فقاہت و قوت حفظ اور فہم و تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی مدح و ثنا میں علماء کے اقوال کی اس قدر بہتات ہے کہ ان کو جمع کرنے کے لئے ایک الگ مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے۔ پھر "جامع ترمذی" کے ہوتے ہوئے ان خارجی شہادتوں کی ضرورت بھی نہیں تاہم چند اہم آرا کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

(۱) ابن حبان اپنی تصنیف "کتاب الثقات" میں لکھتے ہیں:۔

"کان ابو عیسی ممن جمع وصنف وحفظ و ذاکر"

(ابو عیسیٰ وہ شخص تھے جنہوں نے احادیث کو جمع کیا، لکھا، حفظ کیا اور بیان کیا) [۱]

(۲) حافظ ابو سعید عبد الرحمن بن محمد الادریسی کہتے ہیں:۔

"کان ابو عیسی یضرب به المثل فی الحفظ"

(ابو عیسیٰ کا حافظہ ضرب المثل تھا) [۲]

ادریسی نے یہ بھی کہا ہے:۔

"کان الترمذی احد الائمة الذین یقتدی بهم فی علم الحدیث صنف الجامع والتواریخ والعلل تصنیف رجل عالم متقن کان یضرب به المثل فی الحفظ"

(امام ترمذی ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی علم حدیث میں پیروی کی جاتی ہے۔ انہوں نے کتاب الجامع اور تاریخ اور علل میں کتب تصنیف کیں۔ اس عالم و صاحب ضبط کی تصانیف ہیں جس کا حافظہ ضرب المثل تھا) [۳]

(۳) ابو احمد حاکم کا کہنا ہے:۔

---

[۱] و [۲] - حافظ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷

[۳] ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب، جلد ۹ صفحہ ۳۸۸

"سمعت عمر بن علك يقول مات البخاری فلم يخلف بخراسان مثل ابی عيسیٰ فی العلم والحفظ والورع والزهد بکی حتی عمی وبقی ضریرا سنين"

(میں نے عمر بن علک کو یہ کہتے سنا کہ امام بخاریؒ فوت ہو گئے تو انہوں نے خراسان میں ابو عیسےٰ کی مانند علم، حفظ، تقویٰ اور زہد میں کوئی اپنا جانشین نہیں چھوڑا، وہ روتے رہے یہاں تک کہ نابینا ہو گئے اور دو سال نابینا زندہ رہے)[1]

(۱۷) ابو الفضل السلیمانی کہتے ہیں :-

"سمعت نصر بن محمد الشیر کوهی يقول سمعت محمد بن عيسیٰ الترمذی يقول: قال لی محمد بن اسمٰعيل - يعنی البخاری — ما انتفعت بك اكثر مما انتفعت بی"

(میں نے نصر بن محمد الشیر کوہی کو یہ کہتے سنا کہ میں نے محمد بن عیسےٰ الترمذی کو یہ کہتے سنا کہ مجھ سے محمد بن اسمٰعیل بخاری نے کہا کہ میں نے تجھ سے استفادہ کیا اس سے زیادہ ہے جتنا کہ تو نے مجھ سے استفادہ کیا)[2]

(۷) سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے :-

" امام عصره بلا مدافعة، صاحب التصانيف"

(بلاشبہ وہ اپنے وقت کے امام اور صاحب التصانیف تھے)[3]

سمعانی نے یہ بھی لکھا ہے :-

"احد الائمة الذين يقتدی بهم فی علم الحديث"

---

[1] حافظ ذہبی : تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷ -

[2] عبد الرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۸ -
حافظ ابن حجر : تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۹ -

[3] سمعانی : کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶

(ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی علم حدیث میں اقتدار کی جاتی ہے) [1]

(vi) حافظ مزّی نے امام ترمذیؒ کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہا ہے:-

"الحافظ صاحب الجامع وغیرہ من المصنفات، احد الائمة الحفاظ المبرّزین، ومن نفع الله به المسلمین"۔

(وہ حافظ تھے اور کتاب الجامع کے علاوہ اور تصانیف بھی رکھتے تھے۔ صاحب فضیلت حفاظ وائمہ اور ان علماء میں سے ایک تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نفع پہنچایا) [2]

(vii) حافظ ذہبی نے لکھا ہے:-

"الحافظ العلم، صاحب الجامع، ثقة مجمع علیه"

(مشہور حافظ، کتاب الجامع کے مصنف اور ثقہ ہیں جس پر سب کا اجماع ہے) [3]

(viii) ابن العماد حنبلی نے بیان کیا ہے:-

"کان مبرزاً علی الاقران، آیة فی الحفظ والاتقان"

(وہ اپنے ہمسروں پر فضیلت رکھتے تھے اور حفظ وضبط میں نمونہ تھے) [4]

(ix) حافظ ابو یعلیٰ کہتے ہیں:-

"محمد بن عیسیٰ بن سورة بن شداد الحافظ ثقة متفق علیه"

(محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن شداد حافظ اور ثقہ ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے) [5]

---

[1] سمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶۔

[2] حافظ مزّی: تہذیب الکمال صفحہ

[3] حافظ ذہبی: میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۱۷۔

[4] ابن العماد حنبلی: شذرات الذھب جلد ۲ صفحہ۔

[5] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۹۔

(x) خلیلی نے کہا ہے :-

" ثقة متفق علیه (وہ ثقہ ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے) [1]

(xi) ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے :-

" کان اماماً حافظاً، له تصانیف حسنة۔ منها الجامع الکبیر، وھو احسن الکتب۔ "

(وہ امام اور حافظِ حدیث تھے، ان کی عمدہ تصانیف ہیں جن میں جامع الکبیر بہترین کتاب ہے) [2]

(xii) ابن خلکان نے تحریر کیا ہے :-

" احد الائمة الذین یقتدی بھم فی علم الحدیث صنف کتاب الجامع والعلل تصنیف رجل متقن وبه کان یضرب المثل۔ "

(ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی علم حدیث میں پیروی کی جاتی ہے۔ آپ نے کتاب الجامع اور کتاب العلل تصنیف کیں جو کہ ایک صاحب ضبط کی تصانیف ہیں اور وہ اس میں ضرب المثل تھے) [3]

(xiii) علامہ طاش کبری زادہ نے تحریر کیا ہے :-

" وھو احد العلماء الحفاظ الاعلام، وله فی الفقه ید صالحة اخذ الحدیث عن جماعة من الائمة، ولقی الصدر الاول من المشائخ "

(وہ مشہور حفاظ علماء میں سے ایک ہیں اور علم فقہ میں انہیں مکمل دسترس حاصل ہے۔ ائمہ کی ایک جماعت سے حدیث اخذ کی اور مشائخ کے صدر اول کو پایا) [4]

---

[1] ابن حجر عسقلانی : تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۷ - [2] ابن الاثیر : تاریخ الکامل جلد ۷ صفحہ ۱۲۲ - [3] ابن خلکان : وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ -

[4] علامہ طاش کبری زادہ : مفتاح السعادۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱ +

(xiv) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے لکھا ہے :-

"اعلم ان الامام ابا عیسیٰ الترمذی امام مشہور ثقۃ حافظ متقن متفق علیہ"

(جان لینا چاہیئے کہ امام ابو عیسیٰ ترمذی ایک مشہور ثقہ حافظ اور صاحب ضبط امام ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے) [1]

(xv) حافظ ابن حجر کی رائے ہے :-

"الترمذی ابو عیسیٰ صاحب الجامع ثقۃ حافظ"

(ابو عیسےٰ ترمذی صاحب الجامع، ثقہ اور حافظ الحدیث ہیں) [2]

(xvi) علامہ ابی الطیب سندی شارح الترمذی لکھتے ہیں :-

"واما جلالۃ قدر الامام الحجۃ الثقۃ الحافظ المتقن ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی فغنیۃ عن البیان و کفی بہ فضلا۔"

(امام الحجت ابو عیسیٰ محمد بن عیسےٰ ترمذی جو کہ ثقہ حافظ اور صاحب ضبط اشخاص میں سے ہیں ان کی عظمت و قدر کسی تشریح کی محتاج نہیں اور یہ اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے) [3]

(xvii) امام ولی الدین خطیب رقمطراز ہیں :-

"وھو احد العلماء الحفاظ الاعلام ولہ فی الفقہ ید صالحۃ اخذ الحدیث عن جماعۃ من ائمۃ الحدیث ولقی صدر الاول من المشائخ ..... واخذ الحدیث عن خلق کثیر لا یحصون کثرۃ واخذ عنہ خلق کثیر۔"

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۲۹

[2] ابن حجر عسقلانی : تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۷ -

[3] ابی الطیب سندی : شرح جامع ترمذی فی المجموعۃ شرح اربعۃ الترمذی صفحہ ۲

(وہ مشہور حفاظ علماء میں سے ایک ہیں اور انہیں علم فقہ میں مکمل دسترس حاصل ہے۔ ائمہ حدیث کی ایک جماعت سے حدیث حاصل کی اور عہد اول کے اساتذہ سے ملاقات کی .... اور بہت سے لوگوں سے حدیث حاصل کی جن کی کثرت کا شمار ممکن نہیں اور ان سے بہت سے لوگوں نے حدیث سنی) [1]

(viii) نواب صدیق حسن خاں نے تحریر کیا ہے :-

"فابو عیسی الترمذی احد الحفاظ المشہورین والاعلام المذکورین اخذ من البخاری وبہ تخریج .... وھو خلیفة البخاری .... ولہ فی الفقه والحدیث ید صالحة وکتابہ جامع الصحیح یدل علی عظیم قدرہ واتساع حفظہ وکثرة اطلاعہ وغایة تبحرہ فی ھذا الفن۔"

(پس ابو عیسیٰ الترمذی مشہور و معروف ذکر کئے جانے والے حفاظ میں سے ایک ہیں جو کہ امام بخاریؒ سے حدیث حاصل کرتے ہیں اور وہ ان سے لیتے ہیں .... اور وہ خلیفہ بخاری ہیں .... اور علم فقہ و حدیث میں ان کو مکمل دسترس حاصل ہے۔ اور ان کی کتاب "الجامع الصحیح" ان کے بڑے مرتبہ، وسعت حفظ، کثرت اطلاع اور اس فن میں گہرے تبحر پر دلالت کرتی ہے) [2]

(xvii) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد ہے :-

"وکان اوسعھم علما عندی وانفعھم تصنیفا واشھرھم ذکرا رجال اربعة متقاربون فی العصر اولھم ابو عبداللہ البخاری .... وثانیھم مسلم النیشاپوری .... وثالثھم

---

[1] امام ولی الدین خطیب : الکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۵۲

[2] نواب صدیق حسن خاں : الحطہ فی ذکر الصحاح ستة صفحہ ۱۲۸

ابوداؤد السجستانی ... وادناھم ابو عیسی الترمذی وکانہ استحسن طریقة الشیخین حیث بینھا وما ابھما وطریقة ابوداؤد ......"

(اور میرے نزدیک علم میں زیادہ وسیع اور تصنیف سے زیادہ نفع پہنچانے والے اور ذکر میں زیادہ مشہور چار شخص زمانہ میں ایک دوسرے کے قریب ہیں ..... اول ابو عبداللہ البخاری ہیں .... دوسرا شخص مسلم نیشاپوری ہے .... تیسرا شخص ابوداؤد سجستانی ہے ..... چوتھا شخص ابو عیسیٰ الترمذی ہے جس نے طریقہ بخاری و مسلم کا پسند کیا .... نیز ابوداؤد کا طریقہ پسند کیا ....) [1]

(xx) شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں :-

" و ترمذی را در حفظ مثل نہ دانند و اورا خلیفہ بخاری گفتہ اند و تورع و زہد و خوف بحدی داشت کہ فوق آں متصور نیست بخوف الٰہی بسیار گریہ و زاری کرد نابینا شد ۔"

(ترمذی حفظ حدیث میں بے مثل اور امام بخاری رضؒ کے صحیح جانشین مشہور ہیں ۔ تورّع ، زہد اور خوف خدا اس درجہ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ۔ چنانچہ خوف الٰہی میں روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی تھی) [2]

(xxi) مولانا عبدالسلام مبارکپوری تحریر کرتے ہیں :-

" امام ترمذی کی وسعت نظر ، کثرت اطلاع ، دقت فہم ، سیلان ذہن محتاج بیان نہیں جس نے " جامع ترمذی " اہل فن سے پڑھی ہے وہ مذکورہ اوصاف کا اندازہ کرسکتا ہے ۔" [3]

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی : رسالہ انصاف صفحہ ۴۵ - ۴۶ ۔ [2] شاہ عبدالعزیز دہلوی : بستان المحدثین صفحہ ۱۰۹ ۔ [3] مولانا عبدالسلام مبارکپوری : سیرۃ البخاری خاتمہ صفحہ ۱۲

(xxii) مولانا محمد قطب الدین خاں دہلوی نے کہا ہے :-

" اور یہ بھی بڑے محدثوں میں ہیں - اور تصنیف ان کی کتاب جامع ترمذی دلالت کرتی ہے اوپر بڑے علم ان کے کے " [1]

---

[1] مولانا قطب الدین دہلوی : کتاب مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ا صفحہ ۹

تصنیف و تالیف

امام ترمذیؒ سے حدیث، فقہ، تاریخ، علم الرجال وغیرہ مختلف النوع موضوعات پر کثیر التعداد تصانیف منسوب کی گئی ہیں۔ لیکن آپ کی تمام تصانیف میں سے دو سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہیں۔ ایک مجموعۂ احادیث "جامع ترمذی" یا "سنن ترمذی" اور دوسرے "شمائل نبوی"۔ باقی تصانیف میں سے بہت کم ہم تک پہنچی ہیں آپ کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے اردو انسائیکلو پیڈیا میں آرٹیکل "الترمذی" کے مصنف لکھتے ہیں :۔

"آپ کی دو تصانیف چھپ چکی ہیں: مجموعہ احادیث اور شمائل جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور آپ کی صفات کے متعلق احادیث جمع ہیں۔ بروکلمان محل مذکور میں چہل حدیث کے ایک مجموعے کا بھی ذکر کرتا ہے مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ آپ ہی کا انتخاب ہے یا دوسرے لوگوں کا۔ عربی ماخذ میں دوسرے مختلف مضامین مثلاً زہد، اسماء و کنیٰ، فقہ اور تاریخ پر تصانیف بھی آپ سے منسوب کی گئی ہیں مگر ان میں سے بظاہر ایک بھی ہم تک نہیں پہنچی۔" [۱]

سمعانی اور ابن خلکان نے آپ کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے :۔

"صنف کتاب الجامع والتواریخ والعلل"

(کتاب الجامع اور تاریخ اور علل پر تصانیف مرتب کیں) [۲]

یاقوت اور ابن العماد حنبلی نے تحریر کیا ہے :۔

---

[۱] اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: آرٹیکل "الترمذی"۔ [۲] سمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶، ابن خلکان: وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۸۳۔

"صنف کتاب الجامع والعلل"

(کتاب الجامع اور العلل تصنیف کیں) [۱]

ابن الاثیر نے اس بارے میں لکھا ہے:

"له تصانیف حسنة منها الجامع الکبیر وهو احسن الکتب۔"

(اس کی تصانیف بہترین ہیں۔ ان میں سے ایک الجامع الکبیر ہے جو سب کتابوں سے بہترین ہے) [۲]

ابن ندیم نے آپ کی تصانیف کی فہرست یوں قلمبند کی ہے:۔

"وله من الکتب، کتاب التاریخ، کتاب الصحیح، کتاب العلل"

(اور اس کی تصانیف: کتاب التاریخ، کتاب الصحیح اور کتاب العلل ہیں) [۳]

امام ولی الدین خطیب رقمطراز ہیں:۔

"له تصانیف کثیرة فی علم الحدیث وهذا کتابه الصحیح احسن الکتب۔"

(علم حدیث میں اس کی تصانیف بہت ہیں اور یہ کتاب الصحیح ان میں سب سے بہترین ہے) [۴]

ابی الطیب سندی شارح "الترمذی" نے لکھا ہے:۔

"له تصانیف کثیرة فی علم الحدیث منها الشمائل و کتابه هذا الصحیح"

---

[۱] یاقوت حموی: معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۶ و ابن العماد حنبلی: شذرات الذهب [۲] ابن الاثیر: تاریخ الکامل جلد ۷ صفحہ ۱۴۴۔

[۳] ابن ندیم: کتاب الفہرست جلد ۱ صفحہ ۲۳۳

[۴] ولی الدین خطیب: اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ۱۵۳

(علم حدیث میں اس کی تصانیف بہت ہیں۔ ان میں سے ایک "الشمائل" ہے اور دوسری یہ "کتاب الصحیح" ہے) [1]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

" عنف الجامع والتواریخ والعلل ...... ولابی عیسیٰ کتاب الزھد مفرد لم یقع لنا وکتاب الاسماء والکنیٰ ۔ "

(اس نے کتاب الجامع اور تاریخ وعلل پر تصانیف مرتب کیں ..... اور ابو عیسیٰ کی ایک کتاب الزھد ہے جو ہم تک نہیں پہنچی اور ایک کتاب الاسماء والکنیٰ ہے) [2]

نواب صدیق حسن خاں کا بیان ہے :۔

" ولہ تصانیف کثیرۃ فی علم الحدیث، عنف کتاب الجامع والعلل "

(علم حدیث میں اس کی تصانیف بہت ہیں۔ اس نے کتاب الجامع اور علل تصنیف کیں) [3]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں :۔

" اجل تصانیفہ وانفعھا ھو کتابہ الجامع وفی آخرہ کتاب العلل ..... ومن تصانیفہ العلل الکبیر ..... ومنھا شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... ولہ کتاب جلیل فی التفسیر ولہ من التصانیف التاریخ و الزھد والاسماء والکنی کما فی التدریب "

(اس کی تصانیف بہت اعلیٰ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ نفع بخش

---

[1] ابی الطیب سندی: شرح جامع الترمذی فی مجموعہ اربعہ شروح الترمذی صفحہ ۶ ۔

[2] ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۹

[3] نواب صدیق حسن خاں: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۸ ؎

کتاب الجامع ہے اور اس کے آخر میں کتاب العلل ہے ۔۔۔۔ اور اس کی تصانیف میں العلل الکبیر ہے ۔۔۔۔ اور ان میں سے ایک الشمائل النبی صلے اللہ علیہ وسلّم ہے ۔۔۔۔۔ اور اس کی تفسیر میں ایک عمدہ کتاب ہے اور تاریخ ، زہد اور اسماء و کنی میں بھی اس کی تصانیف ہیں جیسا کہ تدریب میں بیان کیا گیا ہے ۔ [۱]

شاہ عبدالعزیز دہلوی ؒ نے تحریر کیا ہے : ۔

"۔۔۔۔۔۔ دسالہا در طلب علم حدیث بسر کردہ و تصانیف بسیار دری فن شریف ازوی یادگار است ۔"

(۔۔۔۔۔ علم حدیث کی طلب میں کئی سال گذارے اور اس فن شریف میں اس کی بے شمار تصانیف یادگار ہیں) [۲]

براکلمن نے آپ کی ذیل کی تصانیف گنوائی ہیں : ۔

" الجامع الصحیح ، کتاب الشمائل ، کتاب تسمیۃ اصحاب رسول اللہ کتاب نوادر الاصول ، کتاب الاربعین ۔" [۳]

ان تمام حوالوں سے امام ترمذی رح کی مندرجہ ذیل تصانیف ثابت ہوتی ہیں : ۔

۱ ۔ الجامع الصحیح ۔ ۲ ۔ شمائل النبی ؐ
۳ ۔ (کتاب) العلل الکبیر ۔ ۴ ۔ کتاب العلل الصغیر
۵ ۔ کتاب الفقہ ۔ ۶ ۔ کتاب التاریخ
۷ ۔ کتاب الاسماء و الکنی ۔ ۸ ۔ کتاب الزہد
۹ ۔ کتاب التفسیر ۔ ۱۰ ۔ کتاب الاربعین

---

[۱] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۸

[۲] شاہ عبدالعزیز دہلوی : بستان المحدثین صفحہ ۱۰۹

[۳] براکلمن : تاریخ الادب العربی جلد ۳ صفحہ ۹۵ ۔ ۱۸۹

۱۱۔ کتاب نوادر الاصول ۱۲۔ کتاب تسمیۃ اصحاب رسول ﷺ

امام ترمذی کی مندرجہ بالا کتب کے علاوہ اور بھی کئی تصانیف ہیں لیکن وہ ہم تک نہیں پہنچیں جیسا کہ احمد محمد شاکر شارح ترمذی نے لکھا ہے :۔

" ولعل له کتبا اخری لم یصل الی خبرها حین اکتب هذا "

(اور غالباً اس کی اور بھی تصانیف ہوں جو مجھ تک اس وقت جبکہ میں یہ تحریر کر رہا ہوں نہیں پہنچی ہیں) [1]

الجامع الترمذی

نام : امام ترمذی کا مجموعہ احادیث "الجامع الترمذی" آپ کی تمام تصانیف میں سب سے گرانقدر ہے اور اسے کتب احادیث میں بھی بہت اہمیت حاصل ہے ۔ اس کتاب کے نام پر بحث کرتے ہوئے اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام آرٹیکل " الترمذی " کے مصنف لکھتے ہیں :

■ امام ترمذیؒ کا مجموعہ احادیث مطبوعہ قاہرہ " الصحیح " ہی کے نام سے موسوم ہے مگر دوسرے مقامات پر اس کو " جامع " کہا گیا ہے یہ جامع اس لئے کہلائی کہ اس میں فقہی احادیث کے علاوہ دوسرے مضامین کی حدیثیں بھی ہیں ۔ باقی سنن اربعہ کی طرح اس کتاب کو " السنن " بھی کہتے ہیں ۔ متقدمین نے اسے کبھی کبھی الجامع الصحیح " بھی کہا ہے ۔ " [2]

حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون جامع ترمذی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" وقد اشتهر بالنسبة الی مؤلفه فیقال جامع

---

[1] احمد محمد شاکر : شرح جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۱

[2] اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام : آرٹیکل " الترمذی "

الترمذی ویقال له السنن ایضاً والاول اکثر"۔

(اور یہ مؤلف کی طرف نسبت سے مشہور ہوئی اور اسے جامع الترمذی کہنے لگے اور سنن بھی کہنے لگے لیکن زیادہ تر پہلا نام ہی دیا گیا) [1]

حاکم صاحب مستدرک وغیرہ نے اسے الجامع الصحیح کہا ہے جیسا کہ علامہ مبارکپوری لکھتے ہیں:۔

"وقد اطلق الحاکم علیه الجامع الصحیح واطلق الخطیب علیه وعلی النسائی اسم الصحیح کما فی التدریب"

(حاکم نے اس پر "الجامع الصحیح" کا اطلاق کیا ہے۔ اور خطیب نے اس پر اور نسائی پر الصحیح کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ تدریب میں ہے) [2]

"جامع ترمذی" کو "الجامع الصحیح" یا صرف "الصحیح" کے نام سے موسوم کرنا جب کہ اس میں ضعیف احادیث بھی ہیں کہاں تک درست ہے؟ اس بارے میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:۔

"قلت اکثر احادیث جامع الترمذی صحیحة قابلة الاحتجاج واحادیثه الضعیفة قلیلة بالنسبة الیها فقیل له الجامع الصحیح علی التغلیب کما قیل للکتب الستة المشهورة اعنی صحیح البخاری وصحیح مسلم والجامع للترمذی والسنن لابی داؤد والنسائی وابن ماجه الصحاح الست مع ان فی السنن الاربعة اقساما من الاحادیث من الصحاح والحسان والضعاف فتسمیتها بالصحاح الست بطریق التغلیب۔"

---

[1] حاجی خلیفہ چلپی: کشف الظنون جلد ا صفحہ ۵۵۹۔

[2] علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۸۱۔

دمیں کہتا ہوں کہ جامع ترمذی کی اکثر احادیث قابلِ احتجاج ہیں۔ اور اس نسبت سے اس میں ضعیف حدیثیں بہت کم ہیں۔ اس تغلیب کی وجہ سے اسے "الجامع الصحیح" کہا گیا۔ جیسا کہ کتب ستہ مشہورۃ یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم و جامع الترمذی والسنن ابو داؤد، النسائی و ابن ماجہ کو "صحاح ستہ" کہا گیا۔ کیا ان کے ساتھ سنن اربع کو جن میں صحیح حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں ہیں تغلیب کے طریقہ پر "صحاح" کا نام نہیں دیا گیا؟) [۱]

اصطلاح محدثین میں "الجامع" وہ کتاب ہے جس میں ہر قسم مثلاً احکام، عقائد، سیرت، تفسیر اور دیگر عنوانات سے متعلق احادیث موجود ہوں۔ اور "السنن" وہ کتاب ہے جس میں احادیثِ احکام کا ذکر ہو۔ اس بنا پر امام ترمذیؒ کی کتاب پر "الجامع" اور "السنن" دونوں کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اس میں احادیثِ احکام تو کثرت سے ہیں اور باقی اقسام کی احادیث بھی موجود ہیں۔

اجمالی خاکہ جامع ترمذی ۴۶ کتب اور ۲۱۱۴ الواب پر مشتمل ہے۔ (۲) ان میں سے ۱۱ الواب مکرر آئے ہیں جن کی تفصیل مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اپنی کتاب مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں دی ہے۔ (۳) اس کے علاوہ اس کتاب میں تقریباً ۳۹۲۹ راویوں سے ۴۴۶۵ احادیث روایت کی گئی ہیں، جیسا کہ مولانا مبارکپوری نے اپنی مذکورہ کتاب میں بیان کیا ہے (۴)

---

[۱] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۸۱ -

[۲] محمد عبدالباقی فواد: مفتاح کنوز السنۃ صفحات ن تا ح -

[۳] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۳۴۶ -

[۴] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحات ۲۵۲ تا ۳۳۶ -

ان احادیث میں سے صرف ۸۳ مکرر وارد ہوئی ہیں جن کی تفصیل مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں مذکور ہے۔ [1]

جامع ترمذی کے نفس مضمون کے بارے میں اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل "الترمذی" کے مصنف رقمطراز ہیں:-

"اس کتاب کے ابواب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً نصف کتاب مسائل علم کلام (قدر، قیامت، جنت، جہنم ایمان، دعوات) ترتیب و آداب (استیذان، ادب) اور سیر صحابہ ومناقب، سے تعلق رکھتی ہے۔

"اس تصنیف میں بخاری اور مسلم کے مقابلے میں احادیث بہت کم ہیں مگر تکرار بھی ان سے کم ہے۔ اس میں دو باب البتہ خاص طور پر وسیع اور مفصل ہیں یعنی 'مناقب' اور "تفسیر القرآن"۔ یہ ابواب باقی تین سنن میں مفقود ہیں۔ جامع ترمذی میں گو ایسی احادیث جو حضرت علیؓ کے حق میں ہیں شاذ نہیں تاہم ان احادیث کی بھی کمی نہیں جو حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے حق میں ہیں۔

"جامع ترمذی" کے آغاز میں مکمل سند درج ہے اور اسے اس راوی تک پہنچایا گیا ہے جس سے کتاب مروی ہے اور اس کے خاتمے پر ایک مختصر سا بیان اور دعا ہے۔" [2]

جامع ترمذی کی فہرست کتب جیسا کہ محمد عبدالباقی فواد نے "مفتاح کنوز السنۃ" میں کلمبند کی ہے مقالہ ہذا میں شامل کی جاتی ہے۔

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحات ۲۴۶ تا ۲۵۱۔

[2] اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: آرٹیکل "الترمذی"

"فہرست کتب السنن الترمذی"[۱]

رقم الکتاب	اسم الکتاب	عدد ابواب کل کتاب	رقم الکتاب	اسم الکتاب	عدد ابواب کل کتاب
۱	الطہارۃ	۱۱۲	۱۷	الاضاحی	۲۲
۲	مواقیت الصلوٰۃ	۲۱۳	۱۸	النذور والایمان	۲۰
۳	الوتر	۲۱	۱۹	السیر	۴۸
۴	الجمعۃ	۸۰	۲۰	فضائل الجہاد	۲۶
۵	الزکوٰۃ	۳۸	۲۱	الجہاد	۴۰
۶	الصوم	۸۲	۲۲	اللباس	۴۵
۷	الحج	۱۱۶	۲۳	الاطعمۃ	۴۸
۸	الجنائز	۷۶	۲۴	الاشربۃ	۲۱
۹	النکاح	۴۴	۲۵	البرّ والصلۃ	۸۷
۱۰	الرضاع	۱۹	۲۶	الطبّ	۳۵
۱۱	الطلاق واللعان	۲۳	۲۷	الفرائض	۲۳
۱۲	البیوع	۷۶	۲۸	الوصایا	۷
۱۳	الاحکام	۴۲	۲۹	الولاء والھبۃ	۷
۱۴	الدّیات	۲۲	۳۰	القدر	۱۹
۱۵	الحدود	۳۰	۳۱	الفتن	۷۹
۱۶	الصّید	۱۹	۳۲	الرّؤیا	۱۰

[۱] محمد عبدالباقی فواد: مفتاح کنوز السنۃ صفحات نر تا ح

رقم الکتاب	اسم الکتاب	عدد ابواب کل کتاب	رقم الکتاب	اسم الکتاب	عدد ابواب کل کتاب
۳۳	الشہادات	۴	۴۰	الاستیذان والآداب	۳۴
۳۴	الزہد	۶۵	۴۱	الادب	۸۲
۳۵	صفت القیامت	۶۰	۴۲	ثواب القرآن	۲۵
۳۶	صفت الجنۃ	۲۷	۴۳	القرآن	۱۱
۳۷	صفت جہنم	۱۳	۴۴	تفسیر القرآن	--
۳۸	الایمان	۱۸	۴۵	الدعوات	۱۳۲
۳۹	العلم	۱۹	۴۶	المناقب	۷۴

صحاح ستہ میں مقام

الجامع الترمذی کا رتبہ کتب احادیث میں کیا ہے ؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے ۔ بعض نے اسے صحیحین (بخاری و مسلم) کے بعد رکھا ہے بعض نے سنن ابوداؤد کے بعد اور بعض نے سنن نسائی کے بعد رکھا ہے ۔ صاحب کشف الظنون کی رائے اس بارے میں یہ ہے :۔

"وھو ثالث الکتب الستة فی الحدیث"

(احادیث کی کتب ستہ میں وہ تیسری کتاب ہے) [1]

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "التدریب" میں حافظ ذہبی سے اس بارے میں نقل کیا ہے :۔

"قال الذھبی انحطت رتبة جامع الترمذی عن سنن ابوداود والنسائی لاخراجه حدیث المطلوب والکلبی وامثالھا"

(حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ جامع ترمذی کا رتبہ حدیث مصلوب، حدیث کلبی اور ان جیسی حدیثوں کے روایت کرنے کیوجہ سے سنن ابوداؤد اور نسائی سے گر گیا ہے) [2]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے حافظ ذہبی کے مذکورہ قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

" فیھا قال الحافظ الذھبی من انحطاط رتبة جامع الترمذی عن سنن ابی داؤد والنسائی عندی نظر والظاھر ھو ما فی کشف الظنون من انه ثالث الکتب الصحاح ستة فان الترمذی وان اخرج حدیث المصلوب والکلبی وامثالھما لکنه بین ضعفه فیکون حدیث المصلوب وامثاله عنده

---

[1] حاجی خلیفہ چلپی: کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۵۵۹

[2] سیوطی : التدریب الراوی صفحہ ۵۶

من باب الشواهد والمتابعات فقد عرفت ان الحافظ الحازمی
قال "ان شرط الترمذی ابلغ من شرط ابی داؤد لان
الحدیث اذا کان ضعیفا او من حدیث اهل الطبقة
الرابعة فانه یبین و ینبه علیه فیصیر الحدیث عنده
من باب الشواهد واعتماده علی ما صح عن الجماعة۔"
ومع هذا فجامع الترمذی اکثر نفعا واجمع فائدة
من سنن ابی داؤد والنسائی فالظاهر هو ما قال صاحب
کشف الظنون۔"

(میں کہتا ہوں اس بارے میں جو حافظ ذہبی نے کہا کہ جامع ترمذی
کا رتبہ سنن ابوداؤد اور نسائی سے گر گیا ہے کہ یہ محل نظر ہے اور درست
وہی ہے جو کشف الظنون میں ہے کہ وہ صحاح ستہ میں تیسری کتاب ہے
پس بیشک ترمذی نے حدیث المصلوب، حدیث الکلبی اور ان جیسی دوسری
حدیثیں روایت کی ہیں لیکن ان کا ضعف بھی بیان کر دیا ہے اور حدیث
المصلوب اور ان جیسی حدیثیں اس کے نزدیک شواہد و متابعات کے
باب میں سے ہو گئیں۔ پس جاننا چاہیئے کہ حافظ حازمی نے کہا ہے کہ
"ترمذی کی شرائط ابوداؤد کی شرائط سے زیادہ بلیغ ہیں کیونکہ جب کوئی
حدیث ضعیف ہوتی ہے یا چوتھے طبقہ کے راویوں کی ہوتی ہے تو وہ اس
کو بیان کر دیتا ہے اور آگاہ کر دیتا ہے۔ اور اس کے نزدیک وہ حدیث
شواہد کے باب سے ہو جاتی ہے اور اعتماد اسی پر ہوتا ہے جس کو ایک
جماعت نے صحیح کہا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جامع ترمذی زیادہ
نفع بخش ہے۔ ابوداؤد اور نسائی کے فوائد کو جمع کرتی ہے۔ پس درست
وہی ہے جو صاحب کشف الظنون نے کہا ہے)[1]

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۸۰-۱۷۹۔

مولانا عبدالسلام مبارکپوری یوں رقمطراز ہیں :۔
"صحاح ستہ میں جامع ترمذی کا مرتبہ صحیحین کے بعد ضرور تسلیم کیا گیا ہے۔ اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے ؎

ترمذی گرچہ بود رہرو سالار حدیث ،
در فضیلت ز صحیحین موخر گیرند"[1]

خصوصیات

"جامع ترمذی" بعض خصوصیات کی بنا پر تمام کتب احادیث میں ممتاز ہے اور اس کتاب میں بعض وہ خوبیاں ہیں جو دیگر کتب احادیث میں موجود نہیں ہیں۔ اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل "الترمذی" کے مصنف ان خصائص کو یوں بیان کرتے ہیں :۔

" دو خصوصیات کی بنا پر جامع ترمذی ممتاز ہے ایک اسناد کے متعلق تنقیدی ملاحظات اور دوسرے مذاہب فقہ کے مواضع خلاف کی تفصیل جو ہر حدیث کے بعد دی ہے۔ آخری خصوصیت کے لحاظ سے ترمذی کی تصنیف وجوہ خلاف کے متعلق قدیم ترین کتاب ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس موضوع پر شافعی کے ملاحظات کتاب الام میں نسبتاً کم مکمل ہیں۔"[2]

مولانا قطب الدین خان دہلوی نے اپنی کتاب مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھا ہے :۔

" اس کتاب میں انہوں نے کتنی باتیں لازم پکڑی ہیں۔ ایک یہ کہ جو حدیث صحابیوں سے ان کو پہنچی ہے ان صحابیوں کے نام بیان کر دیتے ہیں تاکہ مشہور متواتر اور احاد ہونا حدیث کا معلوم ہو جائے اور دوسرے

---

[1] عبدالسلام مبارکپوری : سیرۃ البخاری خاتمہ صفحہ ۱۴
[2] اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : آرٹیکل "ترمذی"

یہ کہ اس کتاب میں انہوں نے یہ بھی لازم کیا ہے کہ مذاہب اور اختلاف علماء کا بیان کیجئے۔ اور تیسرے یہ کہ ہر جگہ راوی کا احوال قوی کا اور ضعیف کا بیان کر دیتے ہیں، اور حدیث کا بھی حال بیان کر دیتے ہیں کہ صحیح ہے یا حسن ہے یا غریب ہے یا منکر ہے اور یہ تین باتیں باقی اور کتاب صحاح ستہ میں نہیں۔" [۱]

احمد محمد شاکر شارح ترمذی کی رائے اس بارے میں سب سے جامع ہے، لکھتے ہیں:

کتاب الترمذی یمتاز بامور ثلاثۃ، لا تجدھا فی شیء من کتب السنۃ الاصول، الستۃ او غیرھا:—

"اولھا: انہ بعد ان یروی حدیث الباب یذکر اسماء الصحابۃ الذین رویت عنھم احادیث فیہ، سواء اکانت بمعنی الحدیث الذی رواہ، ام بمعنی آخر، ام بما یخالفہ، ام باشارۃ الیہ ولو من بعید۔ وھذا اصعب ما فی الکتاب علی من یرید شرحہ

"ثانیھا: انہ فی اغلب احیانہ یذکر اختلاف الفقہاء واقوالھم فی المسائل الفقہیۃ، وکثیراً ما یشیر الی الی دلائلھم، ویذکر الاحادیث المتعارضۃ فی المسألۃ وھذا مقصد من اعلی المقاصد واھمھا، اذھو الغایۃ الصحیحۃ من علوم الحدیث، تمییز الصحیح من الضعیف للاستدلال والاحتجاج، ثم الاتباع والعمل

"ثالثھا: انہ —— اعنی الترمذی —— یعنی کل العنایۃ فی کتابہ بتعلیل الحدیث، فیذکر درجتہ من الصحۃ او الضعف

---

[۱] مولانا قطب الدین دہلوی: کتاب مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۹

ویفصّل القول فی التعلیل والرجال تفصیلاً جیداً، وعن ذالک صار کتابہ ھذا کانّہٗ تطبیق عملیّ لقواعد علوم الحدیث، خصوصاً علم العلل، وصار انفع کتاب للعالم والمتعلم، وللمستفید والباحث، فی علوم الحدیث۔"

(کتاب الترمذی تین باتوں میں ممتاز ہے تو ان میں سے کوئی بات بھی سنت کی چھ اصولی کتابوں یا ان کے علاوہ دیگر کتب میں سے کسی میں بھی نہ پائیگا۔

اوّل یہ کہ کسی باب کی احادیث بیان کرنے کے بعد ان صحابہؓ کے ناموں کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے اس میں احادیث روایت کی ہیں۔ خواہ انہوں نے اسی معنوں میں روایت کی ہو یا دوسرے معنوں میں یا فی لفظ کی ہو یا اس کی طرف اشارہ کیا ہو اگرچہ دور سے ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ کتاب میں سب سے مشکل ہے اس کے لئے جو اس کی شرح کا ارادہ کرے۔

دوم یہ کہ وہ اکثر اوقات فقہا کے اختلاف اور مسائل فقہیہ میں ان کے اقوال کا ذکر کرتا ہے اور بہت سی باتیں جو ان کی دلائل کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور مسئلہ میں متعارض احادیث کا ذکر کرتا ہے اور یہ تمام مقاصد میں سب سے اعلیٰ اور اہم مقصد ہے۔ کیونکہ وہ علوم حدیث کی صحیح غائیت ہے کہ صحیح کی ضعیف سے تمیز کرے استدلال اور احتجاج کے لئے اور پھر عمل واتباع کے لئے۔

تیسرا یہ کہ ترمذی اپنی کتاب میں علل احادیث پر پوری توجہ دیتا ہے وہ صحیح اور ضعیف کا درجہ بیان کرتا ہے اور تعلیل اور رجال میں اقوال کی خوب تفصیل بیان کرتا ہے۔ اور اسی سبب سے اس کی یہ کتاب علوم حدیث کے قواعد کی عملی تطبیق بن گئی ہے خصوصاً علل کے علم کے لئے۔ اور استاد اور شاگرد اور علوم حدیث میں استفادہ کرنے والے اور بحث

کرنے والے کے لئے یہ کتاب سب سے زیادہ نافع ہو گئی ہے۔[1]

رواۃ جامع ترمذی

"جامع ترمذی" ایک نہایت مستند تصنیف ہے اور اس کو مصنف یعنی امام ترمذیؒ سے چھ اشخاص نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے حافظ ابوجعفر بن زبیر سے نقل کیا ہے:۔

"قال الحافظ ابوجعفر بن زبیر فی برنامجه روی هذا الکتاب عن الترمذی ستة رجال فیما علمته ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب و ابو سعید الهیثم بن کلیب الشاشی و ابوذر محمد بن ابراهیم و ابو محمد ابوالحسن بن ابراهیم القطان و ابو حامد احمد بن عبدالله التاجر و ابوالحسن الواذری قال واما ما ذکره بعض الناس من انه لا یصح سماع احد فی هذا المصنف من ابی عیسیٰ ولا روایته عنه و هو کلام یعزی الی ابی محمد بن عتاب عن ابی عمرو السفاقسی عن ابی عبدالله الغسوی فهو باطل قاله من قاله فان الروایات فی الکتاب منتشرة متتابعة عن جملة معروفین عن المصنف ثم ان اباعبدالله بن عتاب وابنه ابا محمد المذکور والحافظ اباعلی الغسانی وغیرهم من ائمة هذا الشان قد اسندوا الکتاب فی فهارسهم وما تعرضوا لشیء مما ذکره من تقدم کلامه من جهل الکتاب وانقطاع الروایة ولا ذکروا ذالک عن احد"۔

حافظ ابوجعفر بن زبیر نے اپنی کتاب "برنامجہ" میں کہا ہے کہ "جامع

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۸

ترمذی" کو امام ترمذی سے چھ اشخاص نے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہیں :-

ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب ، ابوسعید الہیثم بن کلیب الشاشی ابوذر محمد بن ابراہیم ، ابومحمد الحسن بن ابراہیم القطان ، ابوحامد احمد بن عبداللہ التاجر اور ابوالحسن الواذری۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کسی شخص کا اس تصنیف کو ابوعیسیٰ ترمذیؒ سے سننا اور روایت کرنا ثابت نہیں باطل ہے اور یہ اعتراض ابومحمد بن عتاب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس نے ابوعمرو السفاقسی سے روایت کیا اور اس نے ابوعبداللہ الفسوی سے روایت کیا اور یہ باطل ہے کہنے والے نے کہا ہے ۔ کیونکہ اس کتاب کی روایات بکھری ہوئی پے درپے اور تمام کی تمام مصنف سے مشہور ہیں ۔ پھر ابوعبداللہ بن عتاب اور اس کے بیٹے ابومحمد جس کا ذکر کیا گیا ۔ اور حافظ ابوعلی عتابی اور اس قسم کے دوسرے ائمہ نے اس کتاب کو اپنی فہرستوں میں ذکر کر دیا اور اس چیز کی طرف اشارہ نہ کیا جو اعتراض پہلے گزر چکا ہے کہ کتاب نہیں جانی گئی اور نہ روایت کی گئی اور اس کا ذکر تک بھی نہیں کیا) [1]

پس "جامع ترمذی" کا مستند اور باوثوق ہونا اور اس کا چھ اشخاص سے امام ترمذیؒ سے روایت کرنا درست ہے ۔

اسانید الترمذی

"جامع ترمذی" میں جس قدر احادیث شامل ہیں ان کے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تک سند کے کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس واسطے ہیں ۔ جیسا کہ مولانا قطب الدین لکھتے ہیں :-

---

[1] عبدالرحمن مبارکپوری ، مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۸

اور ترمذی کو واسطے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک تین سے کم نہیں اور
ایک حدیث میں تین واسطے ہیں سو جس حدیث میں تین واسطے ہوں
پیغمبر تک اس حدیث کو ثلاثی کہتے ہیں اور نہایت سے نہایت واسطے
دس ہیں دس سے زیادہ نہیں " [1]

لیکن علامہ قاری شارح مشکوٰۃ نے لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ کو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم تک کم از کم دو واسطے بھی ہیں جیسا کہ مولانا مبارکپوری
نے لکھا ہے :-

" قال القاری فی اوائل المرقاۃ شرح المشکوٰۃ اعلی اسانید
الترمذی ما یکون واسطتان بینہ و بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ولہ حدیث واحد فی سننہ بھذا الطریق وھو یاتی علی الناس
زمان الصابر فیھم علی دینہ کالقابض علی الجمر فاسنادہ
اقرب من اسنادہ البخاری ومسلم و ابی داؤد فان لھم
ثلاثیات ۔ "

(قاری نے اپنی کتاب المرقاۃ شرح المشکوٰۃ کی ابتداء میں کہا ہے
کہ ترمذی کی وہ اسانید بہترین ہیں جن میں امام ترمذیؒ اور آنحضرت ؐ
کے درمیان دو واسطے ہیں۔ اور ان کی کتاب السنن میں اس طرق سے
صرف ایک حدیث ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئیگا کہ جس
میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والا آگ کے شعلے کو پکڑنے والے کی
طرح ہوگا۔ پس اس کی سند بخاری، مسلم اور ابوداؤد کی اسناد سے
زیادہ قریب ہے کیونکہ ان کی ثلاثی احادیث ہیں) [2]

مولانا مبارکپوری نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث

---

[1] مولانا قطب الدین دہلوی : کتاب مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۹
[2] مولانا عبدالرحمن مبارکپوری ، تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۲ ۔

امام ترمذیؒ کو تین واسطے سے پہنچی ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"قلت لیس الامر کما قال القاری فان الترمذی روی هذا الحدیث فی جامعه فی کتاب الفتن هکذا احدثنا اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری ابن ابنة السدی الکوفی نا عمر ابن شاکر عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یاتی علی الناس زمان الصابر فیهم علی دینه کالقابض علی الجمر هذا حدیث غریب من هذا الوجه ... فلیس بین الترمذی و بین النبی صلی الله علیه وسلم فی اسناد هذا الحدیث واسطتان بل فیه ثلاث وسائط اسمٰعیل بن موسیٰ وعمر بن شاکر وانس بن مالک فهذا الحدیث ثلاثی ولیس اسناده اقرب من اسناد البخاری ومسلم وابی داؤد کما زعم القاری"

(میں کہتا ہوں کہ معاملہ ویسا نہیں جیسا کہ قاری نے کہا ہے کیونکہ امام ترمذی نے اس حدیث کو اپنی جامع میں کتاب الفتن میں اس طرح روایت کیا ہے ۔ ہم سے بیان کیا اسمٰعیل بن موسےٰ فزاری نے جو کہ بنت السدی کوفی کا بیٹا ہے ۔ اس نے بیان کیا عمر بن شاکر سے اور اس نے انس بن مالک سے کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئیگا کہ اس میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والا آگ کے شعلہ کو پکڑنے والے کی طرح ہوگا " یہ حدیث اس طرق سے غریب ہے ۔

پس امام ترمذیؒ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان اس حدیث کی سند میں دو واسطے نہیں بلکہ تین واسطے ہیں :-

(۱) اسمٰعیل بن موسیٰ (۲) عمر بن شاکر اور (۳) انس بن مالک ۔ پس یہ حدیث ثلاثی ہے اور اس کی سند میں بخاری اور مسلم کی سندوں سے

قریب نہیں ہیں جیسا کہ قاری نے گمان کیا ہے۔[1]

پھر مولانا مبارکپوری ترمذی کی اسانید کا دیگر کتب احادیث کی اسانید سے تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اعلم انه لیس فی جامع الترمذی ثلاثی غیر حدیث انس المذکور واما فی صحیح البخاری فاثنان وعشرون ثلاثیا قد افردها العلماء بالتالیف کعلی القاری الهروی وغیرہ قال صاحب کشف الظنون وتختصر الثلاثیات فی صحیح البخاری فی اثنین وعشرین حدیثا الغالبه ..... واما صحیح مسلم فلیس فیه ثلاثی وکذا ابوداؤد والنسائی فیهما ایضا ثلاثی واما ابن ماجه ففیه عدة ثلاثیات وهذا الثلاثیات من طریق جبارة بن المغلس واما الدارمی فثلاثیة اکثر من ثلاثیات البخاری کذا فی الحطة وقال فی کشف الظنون ثلاثیات الدارمی هی خمسة عشر حدیثا وقعت فی مسند کا لمسند کا۔"

جاننا چاہیئے کہ جامع ترمذی میں سوائے مذکورہ حدیث انس کے اور کوئی ثلاثی حدیث نہیں ہے لیکن صحیح بخاری میں بائیس ثلاثی حدیثیں ہیں جنہیں علماء نے اپنی تالیفات میں نمایاں کیا ہے جیسا کہ علی قاری الهروی وغیرہ۔ صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں ثلاثیات کی تعداد تقریباً بائیس احادیث ہے ..... لیکن صحیح مسلم میں ثلاثی حدیث کوئی نہیں۔ اور ایسے ہی ابوداؤد اور نسائی میں بھی ثلاثی حدیث کوئی نہیں لیکن ابن ماجہ میں چند ثلاثی احادیث ہیں۔ جو جبارۃ بن المغلس کی سند سے بیان کی گئی ہیں۔ البتہ دارمی میں ثلاثیات بخاری سے زیادہ ہیں جیسا کہ الحطہ

---

[1] مولانا عبدالرحمن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۲

میں بیان کیا گیا ہے ۔ اور کشف الظنون میں بیان کیا گیا ہے کہ دارمی کی ثلاثیات پندرہ ہیں جو اس کی مسند میں روایت کی گئی ہیں ۔[1]

المختصر امام ترمذی رحؒ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس واسطے ہیں اور اس اعتبار سے اسے مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ پر فضیلت حاصل ہے ۔

جامع ترمذی کی فقہی حیثیت

"جامع ترمذی" کو فقہی اعتبار سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہے کیونکہ اس کی تمام حدیثیں معمول بہ ہیں اور ان پر کسی نہ کسی فقہی گروہ کا عمل ضرور ہے ۔ امام ترمذی رضؓ نے خود بھی اس بات کو اپنی جامع کے آخر میں "کتاب العلل" میں بیان کیا ہے اور کہا ہے :۔

"جمیع ما فی ھذا الکتاب یعنی جامعہ من الحدیث ھو معمول بہ و بہ اخذ بعض اھل العلم ما خلا حدیثین حدیث ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جمع بین الظھر والعصر بالمدینۃ والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا مطر ولا سفر وحدیث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ قال وقد بینا علۃ الحدیثین جمیعاً فی الکتاب"

(تمام کی تمام احادیث جو اس کتاب یعنی "جامع" میں ہیں وہ معمول بہ ہیں ۔ اور اس سے بعض اہل علم نے یہ نتیجہ حاصل کیا ہے کہ سوائے دو حدیثوں کے باقی تمام معمول بہ ہیں ۔ ایک حدیث ابن عباسؓ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نمازوں کو مدینہ میں جمع کیا

---

[1] مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۳ - ۱۷۲ ۔

اور دوسری حدیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیان کی کہ آپؐ نے فرمایا جو کوئی شراب پیئے اسے کوڑے مارو۔ اور اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو اسے قتل کردو۔ کہا اور ہم نے ان حدیثوں کی علّت کتاب میں مکمل بیان کردی ہے۔[1]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اس روایت کو اپنی کتاب مقدمہ "تحفۃ الاحوذی" میں نقل کرکے لکھا ہے :۔

"قلت قد تعقب الملا معین فی کتابه دراسات اللبیب علی کلام الترمذی هذا وقد اثبت ان هذین الحدیثین کلیهما معمول بهما والحق مع الملا معین عندی۔"

(میں کہتا ہوں کہ ملّا معین نے اپنی کتاب "دراسۃ اللبیب" میں ترمذی کے کلام پر بحث کی ہے۔ اور اس نے ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں بھی معمول بہ ہیں اور میرے نزدیک بھی ملّا معین درست کہتا ہے)[2]

مولانا مبارکپوری نے شرف الدین ابی القاسم کے قول کو جو اس نے اپنی کتاب "السعایہ شرح وقایہ" کی کتاب "الرد علی صلوٰۃ القفال" میں لکھا ہے کہ "جامع ترمذی" کی چار حدیث معمول بہ نہیں ہیں کو نقل کرکے ردّ کیا ہے :۔

"قال شرف الدین ابی القاسم قال الترمذی کل ما ذکرته فی کتابی هذا احجة الا اربعة احادیث قلت لم اجد قول الترمذی هذا فی جامعه ولا فی کتابه العلل الصغیر الذی فی اخر الجامع والظاهر ان هذا وهم من شرف الدین ابی القاسم۔"

---

[1] "جامع ترمذی" : کتاب العلل صفحہ ۲۳۵ ۔

[2] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۸۱ ۔

دشرف الدین ابوالقاسم نے بیان کیا ہے کہ ترمذیؒ نے کہا ہے کہ جو کچھ میں نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے وہ حجت ہے سوائے چار احادیث کے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے ترمذیؒ کا یہ قول نہ تو اس کی کتاب جامع میں پایا اور نہ ہی کتاب العلل الصغیر میں جو کہ جامع کے آخر میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ محض شرف الدین ابوالقاسم کا وہم ہے)۔ ؎

اصطلاحات ترمذی

علمائے اصول حدیث نے عدالت رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ صحیح، حسن اور ضعیف۔ صحیح کی دو قسمیں ہیں۔ صحیح لذاتہ: "وہ خبر واحد ہے جس کے جملہ رواۃ عادل اور تام الضبط ہوں، اس کی سند متصل ہو اور وہ حدیث معلل، شاذ اور منکر نہ ہو" اور صحیح لغیرہ: "وہ خبر واحد ہے جس میں مذکورہ شرائط میں سے کسی میں کمی ہو مگر وہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہو۔" اس طرح حسن کی بھی دو قسمیں ہیں: حسن لذاتہ: "وہ خبر واحد ہے جس میں حدیث صحیح لذاتہ کی شرط سے صرف ضبط میں کمی ہو اور کثرت طرق سے بھی یہ کمی پوری نہ ہو سکے۔" اور حسن لغیرہ: "وہ خبر واحد ہے جس میں صفات رد و قبول ہر دو موجود ہوں لیکن کسی خارجی قرینہ نے اسے درجہ توقف سے نکال کر قبولیت کی جانب کو ترجیح دی ہو۔" اور ضعیف: "وہ حدیث ہے جس میں صحیح یا حسن کی صفات موجود نہ ہوں"۔

حدیث کی یہ ثلاثی تقسیم سب سے پہلے امام ترمذیؒ نے ہی کی کیونکہ اس سے پیشتر علماء کے نزدیک حدیث کی صرف دو قسمیں ہی تھیں۔ صحیح اور ضعیف۔ امام ترمذیؒ نے تیسری قسم حسن کا اضافہ کیا جیسا کہ محمد جمال الدین قاسمی نے امام تیمیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

؎ عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۸۱۔

"وقال الامام تقی الدین بن تیمیه قدس سرہٗ فی بعض فتاویه اوّل من عرف انه قسم الحدیث الی صحیح وحسن وضعیف، ابو عیسیٰ الترمذی، ولم تعرف هذا القسمة عن احد قبله۔"

(امام الدین ابن تیمیہ نے اپنے کسی فتویٰ میں کہا ہے کہ پہلا شخص جس نے حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف میں تقسیم کیا ہے وہ ابو عیسیٰ ترمذیؒ ہے اور تو اس سے پہلے کسی سے یہ تقسیم نہ جانے گا) [1]

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے اس بارے میں علامہ ابن صلاح سے نقل کیا ہے:-

"قال ابن الصلاح فی علوم الحدیث کتاب ابی عیسیٰ الترمذی اصل فی معرفة الحدیث الحسن وهو الذی نوه باسمه واکثر من ذکره فی جامعه ویوجد فی متفرقات من کلام بعض مشائخه والطبقة التی قبله کاحمد ابن حنبل والبخاری وغیرهما۔"

(ابن صلاح نے اپنی کتاب "علوم الحدیث" میں کہا ہے کہ ابو عیسیٰ ترمذی کی کتاب حدیث حسن کی پہچان میں اصل ہے۔ اور وہ وہ شخص ہیں جنہوں نے اس کو اس نام سے معنون کیا۔ اور اپنی جامع میں جابجا اس کا ذکر کیا ہے اور یہی طریق اس کے بعض مشائخ کی روایات اور اس طبقہ محدثین میں ہے، جو اس سے پہلے ہو گذرا ہے جیسے احمد بن حنبل اور بخاری وغیرہ کی روایات میں مختلف جگہ پایا جاتا ہے) [2]

لیکن امام ترمذی نے "حسن" کی تعریف اس سے مختلف کی ہے، جو

---

[1] محمد جمال الدین قاسمی: قواعد التحدیث صفحہ ۱۰۳

[2] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۹۹

اوپر مذکور ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ابن صلاح سے روایت کیا ہے:۔

"قال ابن الصلاح: روينا عن الترمذي انه يريد بالحسن: ان لا يكون في اسناده من يتهم بالكذب، و لا يكون حديثا شاذا، و يروى من غير وجه نحو ذالك"۔

(ابن اصلاح کہتے ہیں: کہ امام ترمذیؒ سے مروی ایک روایت میں ہم سے بیان کیا ہے کہ "حسن" سے اس کی مراد یہ ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب نہ ہو اور نہ کوئی حدیث شاذ ہو اور نہ اس جیسے طرق سے کوئی اور روایت ہو) [1]

محمد جلال الدین قاسمی اس بارے میں امام ابن تیمیہؒ سے لکھتے ہیں:۔

"وقال الامام تقي الدين بن تيميه قدس سره في بعض فتاويه ..... فذكر ان الحسن ما تعددت طرقه و لم يكن فيهم متهم بالكذب۔ و لم يكن شاذ۔ و هو دون الصحيح الذي عرف عدالة ناقليه و ضبطهم"

(امام تقی الدین ابن تیمیہ اپنے کسی فتویٰ میں کہتے ہیں ... پس انہوں نے ذکر کیا کہ حسن وہ ہے جس کے طرق متعدد ہوں اور ان میں کوئی بھی متہم بالکذب نہ ہو اور نہ کوئی شاذ ہو اور وہ صحیح کے علاوہ ہے جس کے راویوں کی عدالت اور ضبط مشہور ہے) [2]

"جامع ترمذی" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک حدیث ذکر کرکے پھر اس کی تقسیم و اقسام کو بیان اور ظاہر کرنے کے لئے مختلف تعبیریں ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے

---

[1] ابن کثیر: اختصار علوم الحدیث صفحہ ۳۸

[2] محمد جلال الدین قاسمی: قواعد التحدیث صفحہ ۱۰۳

ہیں "حدیث حسن صحیح" یا "حدیث حسن غریب" یا "حدیث حسن صحیح غریب"۔ لیکن ان عنوانات و تعبیرات میں ان کی تعریفوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے شبہ اور اشکال پیدا ہوتا ہے۔ علماء نے امام ترمذیؒ کے ان عنوانات کی مختلف توجیہات کی ہیں اور اس طرح وارد ہونے والے شبہات و اشکالات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں :-

" من عادة الترمذی ان یقول فی جامعه حدیث حسن صحیح، حدیث غریب حسن، حدیث حسن غریب صحیح ولا شبهة فی جواز اجتماع الحسن والصحة بان یکون حسنا لذاته و صحیحا لغیره و کذالك فی اجتماع الغرابة و الصحة کما سلفنا، اما اجتماع الغرابة و الحسن فیستشکلونه بان الترمذی اعتبر فی الحسن تعدد الطرق فکیف یکون غریبا و یجیبون بان اعتبار تعدد الطرق فی الحسن علی الاطلاق بل فی قسم منه وحیث حکم باجتماع الحسن والغرابة المراد قسم اٰخر وقال بعضهم انه اشار بذالك الی اختلاف الطرق بان جاء فی بعض الطرق غریبا و فی بعضها حسنا و قیل الواو بمعنی او بانه یشك و یتردد فی انه غریب او حسن لعدم معرفته جزما و قیل المراد بالحسن ههنا لیس معناه الا صطلاحی بل اللغوی بمعنی ما یمیل الیه الطبع و هذا القول بعید جداً "۔

(امام ترمذی کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنی جامع میں کہتے ہیں: "حدیث حسن صحیح"، "حدیث غریب حسن"، "حدیث حسن غریب صحیح"، اور

حسن اور صحیح کے جمع ہونے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ حسن لذاتہ ہو اور صحیح لغیرہٖ ہو اور اس طرح سے غریب اور صحیح کے جمع ہونے میں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ لیکن غریب اور حسن کے جمع ہونے میں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے حسن کی تعریف میں تعدد طرق کو معتبر مانا ہے پس وہ غریب کیونکہ ہو گی؟ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حسن کی تعریف میں تعدد طرق کا اعتبار علی الاطلاق نہیں بلکہ وہ اس کی ایک قسم ہے۔ اور جہاں حسن اور غریب کے اجتماع کا حکم لگایا جائیگا تو اس سے مراد دوسری قسم ہو گی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ اس سے حدیث کے طرق کے اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث بعض اسناد کے اعتبار سے غریب اور بعض اسناد سے حسن ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہاں واؤ بمعنی "او" ہے کیونکہ اس میں شک ہے اور تردد ہے کہ یہ حدیث غریب ہے یا حسن ہے یقینی طور پر صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور کہا گیا ہے کہ حسن سے اس جگہ اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی جس کی طرف طبیعت مائل ہو۔ اور یہ قول بہت بعید ہے۔) [1]

---

[1] شیخ عبدالحق دہلوی: مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح فصل نہم۔

جامع ترمذی کے شروح وحواشی

"جامع ترمذی" کے جلیل القدر اور بلند پایہ ہونے کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک علمائے اسلام بلا امتیاز کسی فرقہ کے برابر اس کی خدمت میں مصروف رہے ہیں کسی نے شرح لکھی، کسی نے تجرید کی اور کسی نے اختصار۔ بعض اہل علم نے اس کے تعلیقات کو موصول کیا۔ بعضوں نے اس کے ابواب فقہیہ اور تراجم ابواب کے دقائق کی چھان بین کی۔ اور بعض نے اس کی شروط پر بحث لکھی۔ بعض محدثین نے اس کی حدیثوں پر تنقیدات لکھیں۔ اکثر اساتذہ فن نے حواشی وتعلیقات قلمبند کئے۔ شروح میں بھی کسی نے بلسوط لکھی، کسی نے مختصر، کسی نے متوسط اور ہر ایک کے مقاصد و عنوان الگ الگ قائم کئے۔ غرض "جامع ترمذی" کے شروح اور جو کتابیں اس کے متعلق لکھی گئیں ہیں اس کا استقصا ایک دشوار امر ہے۔ تاہم "کشف الظنون" "تاریخ الادب العربی" "الحطہ فی ذکر صحاح ستہ" "سیرۃ البخاری" اور "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" وغیرہ کتب[1] سے جس قدر شروح وحواشی کا پتہ چل سکا وہ درج ذیل ہیں :۔

(۱) عارضۃ الاحوذی فی شرح الجامع الترمذی

للحافظ ابی بکر محمد بن عبداللہ الاشبیلی المعروف بابن العربی المالکی د المتوفی

---

[1] حاجی خلیفہ چلپی: کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۵۵۹؛ براکلمن: تاریخ الادب العربی جلد ۳ صفحہ ۹۲-۱۹۰ نواب صدیق حسن خان: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحات ۴۸-۱۰۳؛ مولانا عبدالسلام مبارکپوری: سیرۃ البخاری: خاتمہ صفحات ۱۷-۱۵؛ سید عبدالحی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند۔

سنہ ۵۴۳ھ / ۱۱۴۸ء) - جامع ترمذی کی تمام شرحوں میں سے بہترین شرح ہے جیسا کہ سیوطی نے قوت المغتذی میں لکھا ہے: "لا نعلم شرحہ احد کاملا الا القاضی ابو بکر بن العربی فی کتابہ عارضۃ الاحوذی۔"

(ہم کو اس کی کوئی بھی مکمل شرح معلوم نہیں سوائے قاضی ابوبکر بن العربی کی کتاب عارضۃ الاحوذی) [1]

اس شرح سے حافظ ابن حجر اور دیگر علمائے اعلام نے اپنی تصنیفات میں بے شمار مفید کلمات نقل کئے ہیں۔ اس کا کامل نسخہ قلمی عتیق مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ قلمی محمد آباد المعروف بہ ٹونک کے کتب خانہ خزانۃ الکتب میں موجود ہے۔ مکتبۃ الفردیین فاس سے سنہ ۱۳۴۶ھ میں اور قاہرہ (مصر) سے سنہ ۱۳۵۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ مطبعۃ النظامیۃ فی الھند' جونپور سے جامع ترمذی کی دوسری شرحوں (السیوطی، والسرہندی، والسندی) کیساتھ "مجموعۃ اربعۃ شروح للترمذی" کے نام سے سنہ ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوئی۔

(۲) شرح جامع الترمذی

للحسین بن مسعود البغوی۔ یہ نسخہ مدینہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۳) شرح الجامع للترمذی

للحافظ ابی الفتح محمد بن سید الناس الیعمری الشافعی (المتوفی سنہ ۷۳۴ھ / سنہ ۱۳۳۳ء) - جامع ترمذی کی یہ شرح نہایت بسیط ہے۔ دس جلدوں میں صرف دو ثلث تک پہنچی۔ لائق مؤلف نے اتنی مہلت نہ پائی کہ اس شرح

---

[1] سیوطی: قوت المغتذی بحوالہ عبدالرحمٰن مبارکپوری مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۸۲

کی تکمیل کرتے - اس تطویل کی وجہ یہ ہے کہ فن حدیث تک ہی اس کا دائرہ محدود نہیں رکھا گیا بلکہ دوسرے فنون بھی شامل کر دیئے گئے۔ علامہ چلپی صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں۔ "لو اقتصر علی فن الحدیث لکان تماماً۔" (تاہم حافظ زین الدین عراقی نے اس کی تکمیل کر دی) - یہ شرح ۱۲۵۰ھ میں برلن میں طبع ہوئی -[۱]

(۴) تکملۃ الشرح الجامع الترمذی لابن سید الناس

للحافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین العراقی صاحب الالفیہ (المتوفی: ۸۰۶ھ / ۱۴۰۳ء) - دونوں شرحوں کا کامل نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے -

(۵) شرح الزوائد للترمذی

للعلامۃ سراج الدین عمر بن علی الملقن (المتوفی ۸۰۴ھ)

یہ جامع ترمذی کی ان حدیثوں کی شرح ہے جو صحیحین (بخاری مسلم) اور ابی داؤد سے زائد ہیں -

(۶) العرف الشذی علی جامع الترمذی

للسراج الدین عمر بن رسلان البلقینی الشافعی (المتوفی ۸۰۵ھ) یہ صرف ایک ٹکڑے کی شرح لکھی گئی اور تکمیل کو نہ پہنچی -

(۷) شرح الجامع للترمذی

للزین الدین عبدالرحمن بن احمد النقیب الحنبلی - یہ شرح بیس جلدوں میں اتمام کو پہنچی لیکن کسی فتنہ میں جل گئی -

---

۱- حاجی خلیفہ چلپی: کشف الظنون جلد اوّل صفحہ ۵۹

(۸) شرح علل الجامع الترمذی للحافظ زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ)۔

(۹) اللب اللباب فیما یقول الترمذی وفی الباب للشیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) نہایت قابل قدر کتاب ہے۔ مسائل فقہیہ میں امام ترمذی رحؒ جن حدیثوں کی طرف بلفظ وفی الباب عن فلان فرمایا کرتے تھے ان کو بالتفصیل مع جرح و تعدیل کے بتایا ہے۔ کتاب مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ شیخ الاسلام ابن حجر کی ایک اور تصنیف شرح الجامع الترمذی کا بھی پتہ ملتا ہے۔

(۱۰) قوت المغتذی علی جامع الترمذی للعلامہ جلال الدین السیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء)۔ مجموعہ اربعۃ شروح الترمذی کے تحت جونپور سے شائع ہوئی۔

(۱۱) نفع قوت المغتذی للعلامہ سید علی بن سلیمان الدمنتی الجمعوی المغربی المالکی الشاذلی (المتوفی ۱۲۹۸ھ) یہ کتاب علامہ سیوطی کی شرح کی تلخیص ہے لیکن ایسی عمدہ ہے کہ اصل کتاب کا نفع جاتا رہا اور "نفع قوت المغتذی" لفظ بے معنی رہا۔ اسے مطبوعہ ترمذی کے حاشیہ پر چڑھا دیا گیا ہے۔

(۱۲) شرح الجامع للترمذی للشیخ ابی الحسن بن عبدالہادی السندی المدنی (المتوفی ۱۱۳۹ھ)۔ ایک لطیف شرح ہے۔ مؤلف نے حرم محترم میں تالیف کی۔ تقریباً چالیس جزو میں ہے۔ مصر سے شائع ہو چکی ہے۔

(۱۳) شرح الجامع للترمذی للعلامۃ سراج احمد السرہندی۔ یہ شرح فارسی میں ہے۔ اور مجموعہ اربعۃ شروح الترمذی" کے تحت جونپور سے شائع ہو چکی ہے۔

(۱۴) شرح الجامع للترمذی للعلامۃ ابو الطیب السندی۔ (المتوفی سنۃ ۱۱۰۹ھ) یہ شرح عربی میں قولہ قولہ کر کے لکھی گئی اور مجموعہ اربعۃ شروح الترمذی کے تحت جون پور سے شائع ہو چکی ہے۔

(۱۵) تجرید الجامع للترمذی لابو الفضل محمد تاج الدین بن عبد المحسن القلعی (المتوفی سنۃ ۱۱۴۷ھ / سنۃ ۱۷۳۴ء)
یہ ابو الطیب سندی کی شرح الجامع الترمذی کا اختصار ہے۔

(۱۶) ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی للعلامہ ابو الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی الدیانوی۔ اس شرح میں علاوہ متن کے اسانید کے متعلق بڑی بڑی تحقیقات لکھی گئی ہیں۔

(۱۷) الطیب الشذی فی شرح الترمذی لاشفاق الرحمن کاندھلوی۔ دہلی سے سنۃ ۱۹۳۴ء میں طبع ہوئی۔

(۱۸) العرف الشذی علی جامع الترمذی لمحمد انور شاہ سنۃ ۱۳۴۷ھ میں ہند سے طبع ہوئی۔ یہ مولانا کی تعلیقات املائی ہے۔

(۱۹) مفتاح کنوز الترمذی لمحمد فواد عبد الباقی۔ قاہرہ سے سنۃ ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی۔

(۲۰) شرح الجامع الترمذی — لعبد القادر بن اسمٰعیل الحسنی القادری۔

(۲۱) تحفۃ الاحوذی لشرح الجامع الترمذی — لعبد الرحمٰن المبارکپوری

دہلی سے چار حصوں میں ۵۳-۱۳۴۹ھ میں طبع ہوئی۔ نہایت ہی مقبول و مشہور اور جامع شرح ہے۔

(۲۲) شرح الجامع للترمذی — لاحمد محمد شاکر۔ نہایت نفیس و عمدہ شرح ہے اور قاہرہ سے تین جلدوں میں شائع ہے۔

(۲۳) شرح الترمذی — لمفتی صبغۃ اللہ بن محمد غوث المدراسی الشافعی۔

(۲۴) شرح الترمذی — للشیخ یعقوب ابن یوسف البیانی الاہوری۔

(۲۵) الکوکب الدری فی تعلیقات الترمذی — مولانا رشید احمد گنگوہی۔

(۲۶) شرح الترمذی (اردو) — از مولوی وحید الزمان مسیح الزمان لکھنوی۔

مختصرات جامع ترمذی

جامع ترمذی اس قدر مجمل کتاب ہے کہ اس کی مختصرات نہایت کم لکھی گئی ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے صرف ذیل کی مختصرات کا ذکر کیا ہے۔ [1]

---

[1] حاجی خلیفہ چلپی: کشف الظنون جلد ا صفحہ ۵۵۹

(۱) **مختصر الجامع للترمذی** لعلامہ نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی الطوفی الحنبلی (المتوفی سنہ ۷۱۰ھ)۔

حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی العلائی نے سو حدیث کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے جو جامع ترمذی میں بسند عالی مروی ہیں۔

(۲) **مختصر الجامع للترمذی** لنجم الدین محمد بن عقیل البالسی الشافعی (المتوفی سنہ ۷۲۹ھ) یہ جامع ترمذی کی دوسری مختصر ہے۔

(۳) **مائۃ احادیث الترمذی** للحافظ صلاح الدین خلیل کیکلدی العلائی۔

تراجم

(۱) **جائزۃ الشعوذی** لعلامہ بدیع الزمان (المتوفی سنہ ۱۳۱۰ھ) یہ جامع ترمذی کا اردو میں پہلا اور مطلب خیز ترجمہ ہے جو مطبع مرتضوی دہلی سے سنہ ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوا۔ اور اب نایاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ پروفیسر عبدالقیوم صاحب گورنمنٹ کالج لاہور کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔

(۲) **ترجمہ جامع ترمذی** از مولوی فضل احمد انصاری۔ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ سے سنہ ۱۳۰۹ھ / سنہ ۱۸۹۱ء ماہ اکتوبر میں شائع ہوا۔

جامع ترمذی کے فضائل ومحاسن میں علمائے کے اقوال

جامع ترمذی بے شمار فضائل و محاسن کی حامل ہے۔ علمائے کرام نے اس کتاب کی خوبیوں میں بہت سے اقوال بیان کیے ہیں اور تذکرہ نویسوں نے انہیں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ بعض اہم اقوال درج ذیل ہیں:۔

(۱) ابو علی منصور بن عبداللہ الخالدی، امام ترمذیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

"قال ابو عیسیٰ ترمذی صنفت هذا الکتاب فعرضته علی علماء الحجاز فرضوا به وعرضته علی علماء العراق فرضوا به وعرضته علی علماء خراسان فرضوا به ومن کان فی بیته هذا الکتاب فکانما فی بیته نبی ؐ یتکلم"

(ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب تصنیف کی اور اسے علمائے حجاز کے سامنے پیش کیا تو وہ اس سے خوش ہوئے پھر میں نے اسے علمائے عراق کے سامنے پیش کیا تو وہ بھی اس سے خوش ہوئے پھر میں نے اسے علمائے خراسان کے سامنے پیش کیا تو وہ بھی اس سے خوش ہوئے۔ اور جس گھر میں یہ کتاب ہو تو گویا اس کے گھر میں نبی کریم ؐ ہیں جو گفتگو فرما رہے ہیں) [1]

---

[1] حافظ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۸۸، ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۹، حاجی خلیفہ چلپی کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۵۵۹، نواب صدیق حسن خاں: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۳۸ عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۵۔

(ii) شیخ الاسلام ابو اسماعیل الہروی کہتے ہیں:-

"کتاب ابی عیسیٰ الترمذی عندنا افید من کتاب البخاری والمسلم۔ کان کتابھما لا یصل الی الفائدۃ منھما الا من یکون من اھل المعرفۃ التامۃ وھذا کتاب قد شرح احادیثہ وبینھا فیصل الی الفائدۃ کل احد من الناس من الفقھاء والمحدثین وغیرھما۔"

(ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب ہمارے نزدیک بخاری و مسلم کی کتابوں سے زیادہ فائدہ مند ہے ... ان دونوں کی کتابوں سے کوئی شخص فائدہ حاصل نہیں کرسکتا سوائے اس کے جسے معرفت تامہ حاصل ہے۔ اور اس کتاب میں احادیث بڑی شرح و بسط سے بیان کی گئی ہیں۔ پس عوام، فقہاء اور محدثین میں سے ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے) [1]

(iii) حافظ ابن الاثیر نے اس بارے میں یہ رائے دی ہے:-

"کتابہ الصحیح احسن الکتب واکثرھا فائدۃ واحسنھا ترتیباً واقلھا تکراراً وفیہ ما لیس فی غیرہ من ذکر المذاھب ووجوہ الاستدلال وتبیین احوال الحدیث من الصحیح والسقیم والغریب وفیہ جرح وتعدیل۔"

(اس کی کتاب الصحیح بہترین کتاب ہے اور اس کے بہت سے فائدے ہیں اور اس کی ترتیب نہایت اچھی ہے اور اس میں

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۵، نواب صدیق حسن خان: الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۸ ؎

تکرار بہت کم ہے اور اس میں وہ باتیں ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں مثلاً مذاہب کا ذکر اور استدلال کی وجوہ اور احادیث کی حالت کا بیان کردہ صحیح ہے یا سقیم یا غریب اور اس میں جرح و تعدیل بھی کی گئی ہے ۔ [1]

(۱۷) شیخ ابراہیم البیجوری یوں رقمطراز ہیں : ۔

" وناهيك بجامعه الصحيح الجامع للفوائد الحديثية والفقهية والمذاهب السلفية والخلفية فهو كان للمجتهد مغن للمقلد ۔ "

(اور کافی ہے تجھے اس کی " الجامع الصحیح " جو کہ حدیث وفقہ کے فوائد اور سلف وخلف کے مذاہب کو جمع کرتی ہے اور وہ مجتہد کے لئے کافی اور مقلد کو بے نیاز کرنے والی ہے) [2]

(۷) قاضی ابوبکر بن العربی نے اپنی کتاب عارضۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی کی ابتداء میں لکھا ہے : ۔

" والترمذى وليس فى قدر كتاب ابى عيسى مثله حلاوة مقطع ونفاسة منزع وعذوبة شرع وفيه اربعة عشر علما على فوائد صنف وذالك اقرب الى العمل واسلم اسند وصحح واسقم وعدد الطرق وجرح وعدل واسمى واكنى وصل وقطع واوضح المعمول به والمتروك وبين اختلاف العلماء فى الرد والقبول لآثاره وذكر اختلافهم فى تاويله وكل علم من هذه العلوم اصل

---

[1] ابن الاثیر : جامع الاصول بحوالہ عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۵ ۔

[2] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۵ ۔

فی بابہ دفرد فی نصابہ فالقاری لہ لا یزال فی ریاض مونقۃ وعلوم متفقۃ متسقۃ، وھذا شیء لا یعمہ الا العلم الغزیر، والتوفیق الکثیر والفراغ والتدبیر"

(اور ترمذی: ابو عیسیٰ کی کتاب جیسی بے مثال حلاوت، نکھری ہوئی نفاست، پیہم شیرینی والی کوئی اور کتاب نہیں ہے اور اس میں چودہ علوم تصنیف کے فوائد پر ہیں اور یہ عمل کے زیادہ قریب اور سلامتی والی ہے۔ سند بیان کی، صحیح کہا اور سقیم کہا، سندوں کو شمار کیا، جرح وتعدیل کی، نام اور کنیتیں بیان کیں۔ وصل کیا اور قطع کیا اور معمول بہ اور متروک کی وضاحت کی، آثار صحابہ کے رد وقبول میں علماء کا اختلاف بیان کیا اور ان کی تاویل میں اختلاف بیان کیا اور ان علوم میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر بنیادی اور منفرد حیثیت کا حامل ہے اور اس کا پڑھنے والا ہمیشہ حسین وجمیل باغ میں اور متفق جامع علوم سے سیراب ہوتا ہے۔ اور یہ چیز وافر علوم کو عام کرتی ہے اور بہت زیادہ توفیق، فراغ اور تدبیر کا باعث ہے۔ [۱]

(۷۱) علامہ سیوطی نے اپنی کتاب قوت المغتذی میں امام ابو عبداللہ محمد بن رشید سے بھی نقل کیا ہے: —

"ان لیقال ان کتاب الترمذی یتضمن الحدیث مصنفا علی الابواب وھو علم براسہ والفقہ علم ثانی وعلل الحدیث ویشتمل علی بیان الصحیح من السقیم وما بینھما من المراتب علم ثالث۔ الاسماء والکنی الرابع۔ التعدیل والتجریح۔ خامس۔ من ادرک

[۱] ابو بکر بن العربی: عارضۃ الاحوذی جلد ا صفحہ ۵

النبیؐ من لم یدرك من اسند عنه فی کتابه سادس ۔
تحدید من روی ذالك الحدیث سابع ۔ هذه علومه
المجملة واما التفصیلیة متعددیه وبالجملة فمنفعته
کثیرۃ و فوائدہ غزیرۃ "

دکھا جاتا ہے کہ کتاب الترمذی میں احادیث کو ابواب کی ترتیب پر
درج کیا گیا ہے اور وہ اصل علم ہے اور فقہ دوسرا علم ہے ۔ اور علل
احادیث جو صحیح کو سقیم سے اور ان کے درمیان مراتب کو واضح کرنے
پر مشتمل ہے تیسرا علم ہے ۔ ناموں اور کنیتوں کا چوتھا علم ہے جرح
و تعدیل کا پانچواں علم ہے ۔ جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پایا
اور جس نے نہیں پایا اور جس نے آپؐ سے اپنی کتاب میں سند بیان
کی چھٹا علم ہے اور اس حدیث کے رواۃ کا شمار کرنا ساتواں علم ہے
یہ مجمل ہیں اور ان کی تفصیل متعدد ہے اور یہ تمام علوم بہت نفع
اور وافر فوائد کے حامل ہیں ۔[1]

(viii) خصوصیات مذکورہ میں حافظ فتح الدین بن سید الناس نے یوں
اضافہ کیا ہے :-

" ومما لم یذکرہ ما تضمنه من الشذوذ وهو نوع
ثامن ومن الموقوف وهو تاسع ومن المدرج وهو
عاشر وهذه الانواع مما یکثر فوائدہ واما ما
یقل فیه وجودہ من الوفیات و التنبیه علی معرفة
الطبقات او ما یجری مجری ذلك فقد اخل فیها اسناد
الیه من فوائدہ التفصیلیة ۔"

---

[1] سیوطی : قوت المغتذی بحوالہ عبد الرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ
تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۵ +

داور جس کا اس نے ذکر نہیں کیا وہ شاذ حدیثوں پر مشتمل ہے اور یہ آٹھواں علم ہے اور موقوف روایتوں پر مشتمل نواں علم ہے۔ اور مدرج روایتوں کا دسواں علم ہے۔ اور یہ اقسام ایسی ہیں جن کے بہت سے فائدے ہیں اور جن باتوں کا اس میں وجود قلیل ہے۔ وہ وفیات پر اور معرفت طبقات کی آگاہی پر مشتمل ہے اور اس سے متعلق باتیں اس میں داخل ہیں جن کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے وہ تفصیلی فوائد پر مشتمل ہیں۔ [1]

(۱۱۱۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس بارے میں لکھتے ہیں:-

"وکان اوسعهم علما عندی وانفعهم تصنيفا و اشهرهم ذكرا رجال اربعة متقاربون فی العصر اولهم ابو عبد الله البخاری .... وثانيهم مسلم النيشاپوری .... وثالثهم ابو داؤد السجستانی .... ورابعهم ابو عيسیٰ الترمذی وكانه استحسن طريقة الشيخين حيث بينا وما ابهما وطريقة ابی داؤد حيث جمع كل ما ذهب اليه ذاهب فجمع كلتا الطريقتين وزاد عليها بيان مذاهب الصحابة والتابعين و فقهاء الامصار فجمع كتابا جامعا واختصر طرق الحديث اختصارا لطيفا فذكر واحدا وما الى ما عداه وبين امر كل حديث من انه صحيح او حسن او ضعيف او منكر وبين وجه الضعف ليكون الطالب على بصيرة فيعرف ما يصلح الاعتبار عما دونه و

---

[1] ابن سید الناس بحوالہ عبدالرحمن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۲۶۱۔

ذکر انه مستفیض او غریب و ذکر مذاهب الصحابة و فقہاء الاحصار و سمی من یحتاج الی التسمیة و کنی من یحتاج الی الکنیة و لم یدع خلفاء لمن هو من رجال العلم و لذالک یقال انه کاف للمجتہد مغن للمقلد۔"

(اور میرے نزدیک علم میں زیادہ وسیع اور تصنیف سے زیادہ نفع پہنچانے والے اور ذکر میں زیادہ مشہور چار شخص زمانہ میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔۔۔ اوّل ابو عبداللہ بخاری ہیں۔ دوسرا شخص مسلم نیشاپوری ہے۔ تیسرا شخص ابو داؤد سجستانی ہے۔۔۔ چوتھا شخص ابو عیسےٰ ترمذی ہے جس نے طریقہ بخاری و مسلم کا پسند کیا کہ انہوں نے صاف بیان کیا اور مبہم نہیں چھوڑا۔ نیز ابو داؤد کا طریقہ پسند کیا جس سے سب ایسی باتیں جمع کیں جو کسی کا مذہب نہیں لہذا ترمذی نے ان دونوں طریقوں کو جمع کیا۔ اور ان پر یہ اضافہ کیا کہ صحابہ و تابعین اور فقہائے مصار کے مذاہب بھی بیان کیئے غرض کہ ایک کتاب جامع بنائی اور طرق حدیث کو لطف کے ساتھ مختصر کیا یعنی ایک کا ذکر کرکے ماسوا کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر حدیث کا حال کہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف یا منکر بیان کر دیا اور وجہ ضعف کی ظاہر کر دی تاکہ طالب کو اپنے معاملہ میں پکی شناخت ہو اور قابل اعتبار کو غیر معتبر سے پہچان لے اور یہ بھی ذکر کیا کہ حدیث مشہور ہے یا غریب اور مذاہب صحابہ اور فقہائے امصار کے بیان کیئے اور جس کا نام لینے کی ضرورت تھی اس کا نام لیا اور جس کی کنیت کی حاجت تھی اس کی کنیت بیان کی۔ اور جو لوگ مرد میدان علم ہیں ان کے لئے کچھ چھپا نہیں رکھا اور اسی

وجہ سے کہتے ہیں کہ جامع ترمذی مجتہد کے لئے کافی اور تقلید کرنے والے کے حق میں بس ہے۔[1]

(ix) حافظ ابو الفضل المقدسی نے اپنی تصنیف "شروط الائمہ اصحاب الکتب الستہ" میں لکھا ہے :-

"سمعت الامام ابا اسمٰعیل عبد اللّٰہ بن محمد الانصاری بھراۃ، وجری بین یدیہ ذکر ابی عیسی الترمذی وکتابہ۔ فقال: کتابہ عندی انفع من کتاب البخاری ومسلم، لان کتابی البخاری ومسلم لا یقف علی الفائدۃ منھما الا المتبحر العالم، وکتاب ابی عیسی یصل الی فائدتہ کل احد من الناس۔"

(میں نے امام ابو اسمٰعیل عبد اللّٰہ بن محمد الانصاری بہراۃ سے سُنا اور ہمارے درمیان ابو عیسٰے ترمذی اور ان کی کتاب کا ذکر جاری تھا۔ پس آپ نے کہا اس کی کتاب میرے نزدیک بخاری اور مسلم کی کتابوں سے زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ بخاری اور مسلم کی کتابوں سے صرف تبحر عالم شخص ہی فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور ابو عیسٰے کی کتاب سے لوگوں میں سے ہر ایک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔)[2]

(x) علامہ طاش کبری زادہ یوں رقمطراز ہیں :-

"لہ تصانیف کثیرۃ فی علم الحدیث، وھذا کتابہ الصحیح احسن الکتب واکثرھا فائدۃ، واحسنھا ترتیباً، واقلھا تکراراً، وفیہ ما لیس فی غیرہ من ذکر المذاھب ووجوہ الاستدلال، وتبیین انواع الحدیث من الصحیح والحسن

---

[1] شاہ ولی اللہ: رسالہ انصاف صفحہ ۲۴-۲۵۔ [2] المقدسی: شروط الائمہ اصحاب الکتب الستہ بحوالہ احمد محمد شاکر: شرح جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۰۔

والغريب، وفيه جرح و تعديل، وفي آخره كتاب العلل وقد جمع فيه فوائد حسنة، لا يخفى قدرها على من وقف عليها۔"

(علم حدیث میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں اور یہ کتاب الصحیح تمام کتب سے بہترین ہے اور اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ اور اس کی ترتیب نہایت عمدہ ہے اور اس میں تکرار بہت کم ہے اور اس میں وہ باتیں ہیں جو دوسری کتب میں نہیں مثلاً مذاہب کا ذکر اور استدلال کی وجوہ اور حدیثوں کی اقسام کا بیان صحیح، حسن، غریب وغیرہ اور اس میں جرح و تعدیل ہے اور اس کے آخر میں کتاب العلل ہے اور اس میں تمام عمدہ فوائد جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کی قدر و منزلت اس سے مخفی نہیں جو اس کا مطالعہ کرے) [1]

(xi) احمد محمد شاکر کہتے ہیں:۔

"ان هذا الكتاب (كتاب الترمذي) انفع كتب الحديث للعلماء هذا العلم و متعلميه، اذ جعله مؤلفه۔ رحمه الله، معلّماً لتعليل الحديث تعليما علميا۔ فيكشف للقارئ عن درجة الحديث من الصحة او الضعف، مبيّنا ما قيل في رجاله ممن تكلم فيهم مرجّحا بين الروايات اذا اختلفت۔"

(یہ کتاب الترمذی کتب احادیث میں سے بہت نفع دینے والی ہے اس علم کے علماء اور متعلمین کو۔ جب کہ اس کے مؤلف نے (اللہ اس پر رحم کرے) علل احادیث کی تعلیم کے لئے معلم بنایا۔ پس یہ پڑھنے والے کے لئے احادیث کے درجوں کو اجاگر کرتی ہے۔ صحیح یا ضعیف

---

[1] طاش کبری زادہ: مفتاح السعادۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱۔

اور بیان کرتی ہے جو اس کے رجال کے بارے میں کہا گیا اور کلام کیا گیا اور ترجیح دیتی ہے روایات میں جب کہ اختلاف ہو) لے

(XII) براکلمن نے اس بارے میں لکھا ہے :۔

"وقد ضمن الترمذی جامعہ کل حدیث احتج بہ بعض الفقہا فی بعض الاحکام، وسمی مع کل حدیث من احتج بہ اہل المذاہب، مع ذکر ما عارضہ بہ الآخرون ومن ثم کان کتابہ من اہم المصادر لدراسۃ الخلاف بین مدارس الفقہ المختلفۃ۔"

(اور جامع ترمذی ان احادیث پر مشتمل ہے جن سے فقہا بعض احکام میں حجت قائم کرتے ہیں اور اس حدیث کے ساتھ جس سے اہل مذاہب میں سے جس نے حجت پکڑی ہے اس کا نام لیا ہے۔ اور اس کے ساتھ جو دوسروں نے اس سے تعارض کیا ہے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اسی لئے یہ کتاب مختلف فقہی مکاتب کے درمیان اختلافات جاننے کے لئے اہم ماخذ ہے) ۲ے

(XIII) شاہ عبدالعزیز دہلوی کا بیان ہے :۔

"وتصانیف بسیار درین فن شریف از وی یادگار است و این جامع بہترین آن کتب است بلکہ بہ بعضے وجوہ وحیثیات از جمیع کتب حدیث خوب تر واقع شدہ۔ اول از جہت ترتیب و عدم تکرار دوم ذکر مذاہب فقہاء و وجوہ استدلال ہر یک از اہل مذاہب۔ سوم بیان انواع حدیث از صحیح و حسن و ضعیف و غریب و معلل بہ علل چہارم بیان اسماء رواۃ و القاب و کنیت آنہا و دیگر فوائد متعلقہ

لے احمد محمد شاکر: شرح جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۔

۲ے براکلمن: تاریخ الادب العربی جلد ۳ صفحہ ۱۸۹۔

بعلم الرجال۔"

(اس عزیز) فن میں اس کی بہت سی تصانیف یادگار ہیں۔ اور یہ "جامع" ان کتابوں میں سے بہترین ہے۔ بلکہ بعض وجوہات اور حیثیتوں سے تمام کتب احادیث میں خوب تر کتاب واقع ہوئی ہے۔ اول بلحاظ ترتیب اور عدم تکرار۔ دوم فقہی مذاہب کے ذکر اور اہل مذاہب کے استدلال کی وجوہ کے لحاظ سے۔ سوم حدیث کی اقسام صحیح، حسن ضعیف، غریب، معلل بہ علل کے بیان کے اعتبار سے۔ چہارم راویوں کے نام اور ان کے القاب و کنیتوں کے بیان اور دیگر فوائد کے اعتبار سے[1]

(xiv) مولانا عبدالسلام مبارکپوری تحریر کرتے ہیں :۔

"جامع ترمذی کی شہرت اور گیارہ سو دہ برس سے درس میں داخل ہونا اس کے حسن قبول کی کافی دلیل ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ جامع ترمذی کو تفصیل مذاہب مجتہدین، و بیان مذاہب صحابہ و تابعین، تنقید رجال، اظہار علل احادیث و تصحیح و تضعیف و تحسین احادیث کے اعتبار سے خصوصیت خاص حاصل ہے جو کسی کتاب میں نہیں، جامع ترمذی کی مدح کے لئے محدثین کا یہ مشہور جملہ کافی ہے : "کاف للمجتہد مغن للمقلد"[2]

(xv) اقوال بالا کے علاوہ متقدمین نے جامع ترمذی کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور ان میں اس کتاب کی خصوصیات کا مفصل تذکرہ کیا ہے ان میں سے دو قصائد جن کو مولانا مبارکپوری نے نقل کیا ہے شامل مقالہ ہذا ہیں[3]۔

---

[1] شاہ عبدالعزیز دہلوی : بستان المحدثین صفحہ ۱۰۹۔

[2] عبدالسلام مبارکپوری : سیرۃ البخاری خاتمہ صفحہ ۱۳۔

[3] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۷۔

قال الحافظ قطب الدین قسطلانی :-

۱- احادیث الرسول جلا الهموم
وریع المرء من الم الکلوم

(یہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث غموں کو دُور کرنے والی - اور انسان کو زخموں کی تکلیف سے شفا بخشنے والی ہیں)

۲- فلا تبغ بہا ابد ابد یلا ،
وعرف با الصحیح من السقیم

(پس کبھی بھی ان کا نعم البدل نہ ڈھونڈو - اور صحیح اور ضعیف احادیث کی معرفت حاصل کرو)

۳- وان الترمذی لما تصدی ،
لعلم الشرع مغن عن علوم

(اور بے شک کتاب ترمذی چونکہ علم شرع کے درپے ہوئی - اس لئے یہ دیگر علوم سے بے نیاز کر دیتی ہے)

۴- غدا خضرا لغیرا فی المعانی
فاضحی روضۃ عطر الشمیم

(یہ معانی میں ترو تازہ ہے - اور یہ عطر شمیم کا چمن ہے)

۵- فمن جرح و تعدیل حواۃ
ومن علل و من فقہ قویم

(یہ جرح و تعدیل پر حاوی ہے اور علل حدیث اور فقہ پر مستحکم ہے)

۶- ومن اثر و من اسماء قوم
ومن ذکر الکنی لمصید فہیم

(اور آثار اور اسماء الرجال - اور کنیتوں کا ذکر بھی اس میں ہے ایک سمجھدار کیلئے)

۷۔ ومن نسخ و مشتبہ الاسامی
ومن فرق و من جمع فہیم
(اور علم نسخ اور مشتبہ ناموں ۔ اور فرقوں اور جماعتوں کو سمجھانے والی ہے)

۸۔ ومن قول الصحاب و تابعیہم
بحل او بتحریم عمیم
(اور صحابہؓ اور تابعین رحؒ کے اقوال ۔ اور ناجائز یا ناجائز میں فرق کرنے والی ہے)

۹۔ ومن نقل الی الفقہاء یعزی
ومن معنی بدیع مستقیم
(اور منقولات ہیں جو فقہاء کی طرف منسوب کی گئی ہیں ۔ اور اس میں اچھوتے اور صحیح معانی ہیں)

۱۰۔ ومن طبقات اعصار تقضت
ومن حل لمرخلق عقیم
(اور عہد قدیم کے تمام راویوں کے طبقات کو ۔ کم درجہ کے ذہنوں کے لئے بھی واضح کیا ہے)

۱۱۔ وقسم ما روی حسنا صحیحا
غریبا فانتضاد ذو العموم
(اور حدیث کی قسمیں جو بیان ہوئی ہیں حسن اور صحیح ۔ اور غریب جنہوں نے سب تذبذب دور کر دیا ہے)

۱۲۔ ففاق مصنفات الناس قدما
وراق فکان کالعقد النظیم
(اور اس کو متقدمین کی تمام تصنیفات پر فوقیت حاصل ہے اور

یہ ایک اچھے ہار کی طرح ہے)

۱۳- وجاء کانہ بدر تلالا
بنیں غیاھب الجھل العظیم
(اور آئی ہے گویا بدر کی روشنی ہو جس نے عظیم جہالت کی تاریکیوں کو منڈمل کر دیا ہو)

۱۴- فنافس فی اقتباس من نفس
بانفاس ودع قول الخصیم
(پس اچھی طبیعت کے ساتھ اس کا مطالعہ کرو۔ اور اس کے مخالف کی بات کو چھوڑ دو)

۱۵- فان الحق ابلج لیس تخفی،
طلاوتہ علی الذھن السلیم
(کیونکہ حق بات واضح ہوتی ہے اور مخفی نہیں رہتی اس کی رونق ذہن سلیم سے)

۱۶- وفضل العلم یظھر حین یاتی
عن الارواح مالوف الجسوم
(فضیلت علم ان اشخاص سے ظاہر ہوتی ہے جن کی شخصیتیں مالوف وماوی ہوتی ہیں)

۱۷- فمادی العلم مرتقی بالثریا الی
ویبقی بالثری اثر الرسوم
(پس علم کا مرجع اوج ثریا سے ہمکنار ہے اور زمین پہ اس کا نشان باقی ہے)

۱۸- ولیس العلم ینفع من حواہ
بلا عمل یعین علی القدوم

(اور علم نفع نہیں دیتا جو اس کے درپے ہو بغیر عمل کے آگے بڑھنے میں بھی مددگار نہیں ہوتا)

۱۹- کتاب الترمذی غدا کتابا،
بعطر نشرہ مرا النسیم

(ترمذی کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے جس کی خوشبو چلنے والی ہوا کو معطر بنا دیتی ہے)

۲۰- واسنادی به فی الفقه تعلو،
اساوی فیه ذا سن قدیم

(فقہ میں ان سے میرا اسنادی ربط ہے جس کی وجہ سے میں بڑے سے قدیم لوگوں کے برابر ہو گیا ہوں)

۲۱- فربی الله احمد کل حین
علی ایلاء افضال عمیم

(میں اپنے رب کا ہر وقت شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے فضلِ عمیم سے نوازا ہے)

۲۲- وصل مدی الزمان علی رسول
یفوح لذکرہ ارج النسیم

(اور ہمیشہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ درود جن کے ذکر سے بادِ نسیم میں خوشبو ہے)

قال بعضهم :-

۱- كتاب الترمذى رياض علم
حكت ازهارہ زهر النجوم

(کتاب ترمذی علم کا باغ ہے - جس کے پھول ستاروں کے مشابہہ ہیں)

۲- به الآثار واضحة ابنيت
بالقاب اقيمت كالرسوم

(آثار حدیث کو واضح نشانات کی طرح بیان کیا ہے - اور راویوں کے القاب بھی ظاہر کئے گئے ہیں)

۳- فاعلاها الصحاح وقد انارت
نجوم للخصوص وللعموم

(پس اس کی صحیح حدیثوں نے اس کا درجہ بلند کر دیا ہے اور روشن کر دیا ہے - اس کے ستاروں نے خاص اور عام حدیثوں کو)

۴- ومن حسن يليها او غريب
وقد بان الصحيح من السقيم

(اور حسن اور غریب حدیثیں ساتھ بیان کی گئیں - اور صحیح اور ضعیف حدیثیں واضح ہو گئی ہیں)

۵- فعلله ابو عيسى مبينا
معالمه للطلاب العموم

(ابو عیسیٰ ترمذی نے بیان کر دیا ہے - اس میں علل حدیث اور ان کے سب نشانات کو)

۶- وطرزه باثار صحاح
تخيرها اولو النظر السليم

(اور اس کو صحیح روایات سے اس طرح آراستہ کیا ہے - جنہیں سلیم العقل آدمی پسند کرتے ہیں)

۷- من العلماء والفقهاء قدما،
واهل الفضل والنهج القويم
(علماء اور فقہا آگے بڑھیں - اور اہل فضل وعلم استفادہ کر سکیں)

۸- فجاء كتابه علما يقينا
تنافس فيه ارباب العلوم
(ان کی کتاب ایک یقینی علم پیش کرتی ہے - اور اصحاب علم اس بات میں اس کی نقل کرتے ہیں)

۹- ويقتبسون منه نفيس علم
يفيد نفوسهم اسنى الرسوم
(اور اچھے علم کا انہوں نے اقتباس کیا - اور اپنی ذات کو روشن نشانات سے فائدہ پہنچایا)

۱۰- كتبناه رويناه لنروى
من التسنيم في دار النعيم
(ہم نے اس کو لکھا اور روایت کیا - تاکہ جنت میں تسنیم سے فیض یاب ہوں)

۱۱- وغاص الفكر في بحر المعاني
فادرك كل معنى مستقيم
(معانی کے سمندر میں فکر نے غوطہ لگایا - تو اس نے صحیح معانی حاصل کر لئے) -

۱۲- فاخرج جوهرا یلتاح نورا،
فقلد عقده اهل الفهوم

(پس اس نے نکالا ایسا موتی جو اپنے نور کی وجہ سے چمکتا ہے
اور اس نے اپنا ہار فہم و عقل والے لوگوں کے گلے میں پہنا دیا)

۱۳- لیصعد بالمعانی للمعالی،
بسعد بعد توديع الجسوم

(تاکہ اس کے معنوں کی بلندی کی طرف ہم رفعت حاصل کریں
ایسی رفعت جو جسموں کو چھوڑنے کے بعد حاصل ہو)

۱۴- مجل العلم لا یاوی ترابا
ولا یبلی علی الزمن القدیم

(جو علم کی قدر کرتا ہے وہ مٹی سے اذیت نہیں پاتا۔ اور
زمانہ خواہ کتنا پرانا ہو جائے اس کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا)

۱۵- فمن قراء العلوم ومن رواها
لتنقله الی المعنی المقیم

(پس جو علم کو پڑھتا ہے اور اسے روایت کرتا ہے وہ علم
اسے ایک دائمی ٹھکانے میں لے جاتا ہے)

۱۶- فان اروح تالف کل روح
وریحانته عاطرة النسیم

(پس بیشک اس کی روح پر آرام و راحت کے ساتھ مانوس
ہوتی ہے اور ایسی ہوا جس کی بھینی بھینی خوشبو ہوتی ہے)

۱۷- تحلی فی عقائد لا عقودا
منظمة بیاقوت و توم

(وہ اپنے عقائد کے ساتھ ایسے ہار سے آراستہ کرتا ہے جو
یاقوت اور موتیوں کے ساتھ منظم ہوتے ہیں)

۱۸- و تدرک نفسه اسنی ضیاء
من الحلم النفیس لدی العلیم
(اور اس کا نفس وہ معنی پالیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں جو علم نفیس ہے اس کی روشنی کی بنا پر)

۱۹- و یحیی جسمه احلی لذاذ
محیاه علی الخیر الجسیم
(اس کا جسم دیا جاتا ہے اعلیٰ لذت بڑی بھلائی کے اوپر خصوصیت کے ساتھ)

۲۰- جزی الرحمٰن خیرا بعد خیر
ابا عیسیٰ علی الفعل الکریم
(خداتعالیٰ ابو عیسیٰ کو ان کے نیک کام کے بدلے میں پے در پے جزائے خیر عطا فرمائے)

۲۱- والحقه بصالح من حواه
مُصَنَّفة من الجمل العظیم
(اور اس کو ملائے ان نیک آدمیوں کے ساتھ کہ بڑے عفیف، لوگوں کے جماعت سے)

۲۲- و کان سمیه فیه شفیعا
محمد ن المسمی بالرحیم
(اور جو اس کا ہمنام ہے اس معاملہ میں اس کا شفیع ہے محمد رحیم ہیں)

۲۳- صلوٰۃ اللّٰه تورثه علاءً
فان لذکره ازکی النسیم
(اللہ کا درود اور رحمت اس کو بلندی و رحمت کا باعث بنائے۔ کیونکہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر خوشبودار ہوا کا باعث ہے)

شمائل الترمذی اور اس کی شروح

شمائل الترمذی: اس کتاب کا پورا نام صاحب کشف الظنون[1] اور مؤلف معجم المطبوعات نے "الشمائل النبویہ والخصائل المصطفویہ" لکھا ہے (لہ) اور براکلمن نے "کتاب الشمائل فی وصف خلق النبی وخُلقہ" تحریر کیا ہے (۲) لیکن یہ کتاب عام طور پر "کتاب الشمائل"، "شمائل النبی"، "شمائل الترمذی" یا صرف "شمائل" کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے یہ کتاب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نشست برخاست، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلام کلام، لباس، لوگوں سے میل جول اور آپ کی دیگر عادات وصفات کے متعلق احادیث پر مشتمل ہے اور یہ اس موضوع پر سب سے پہلی اور بے مثل تصنیف ہے۔ اس کتاب کے متعلق مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:-

"ومنہا شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو احسن الکتب المؤلفۃ فی ھذا الباب کثیر المیامن والبرکات و قال الشیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات وخواندن آں برای مہمات مجرب اکابر است۔"

(اور ان میں سے ایک شمائل النبی ہے اور وہ اس باب میں مؤلف کی بہترین کتاب ہے۔ بہت سی فیوض و برکات والی ہے۔ اور شیخ عبدالحق اپنی کتاب "اشعۃ اللمعات" میں کہتے ہیں مہمات میں اس کا پڑھنا بہت زیادہ مجرب ہے) (۳)

لہ، ۲، ۳: مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۸

نواب صدیق حسن خاں اس بارے میں لکھتے ہیں :-

" ومن تصانیفه شمائل النبی صلی الله علیه و سلم و هو احسن الکتب المؤلفة فی هذا الباب کثیر البیامن والبرکات وقراءته للمهمات مجربة للاکابر الثقات وقد حصل لی بحمد الله تعالیٰ وحسن توفیقه سنده المتصل الی مؤلفة بعشرة واسطة وهو فی نهایة العلو کما قیل ما الفخر عند الرجال الا بالسند العالی وقد انشد قاضی القضاة ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد الدمشقی الشیرازی المعروف بابن الجزری صاحب الحصن الحصین رح حین ثم قرأته فی مجلس الشریف - نظم :

اخلای ان شط الحبیب و ربعة
وعز تلاقیه و نادت منازلة
فان فاتکم ان تبصره بعینه -
فما فاتکم بالسمع هذی شمائله

داور اس کی تصانیف میں سے ایک شمائل النبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور وہ اس باب میں مؤلف کی بہترین کتاب ہے - بہت سی فیوض وبرکات والی ہے اور اس کا امور دشوار کیلئے پڑھنا بڑے بڑے ثقہ لوگوں سے مجرّب ثابت ہے - اور اس کی سند اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی حسن توفیق سے مؤلف تک دس واسطوں سے مجھے پہنچی ہے - اور یہ سند کے عالی ہونے کی انتہا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ رواۃ حدیث کے نزدیک فخر کی بات جو ہے وہ صرف سند عالی ہی ہے اور قاضی القضاۃ ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد دمشقی شیرازی المعروف ابن جزری صاحب

حصن حصین نے ایک مجلس شریف میں اس کی قرأت مکمل کرنے کے بعد یہ نظم پڑھی :

میرے دوستو اگر محبوب اور اس کا مکان تم سے دور ہو گیا اور ملاقات مشکل ہو گئی۔ یعنی آنکھ کی ملاقات نصیب نہیں تو اس کے اخلاق و شمائل کا سننا نہیں گیا۔ [1]

مولانا عبدالسلام مبارکپوری رقمطراز ہیں :

" شمائل الترمذی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نشست برخاست، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلام، کلام، لباس کی وضع قطع، کنگھی کرنے، موزے پہننے اور لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور عام اخلاق کی حدیثوں کی جامع کتاب ہے۔ عاشقان سیرت نبوی کے لئے یہ کتاب گنجینۂ مراد ہے " [2]

شمائل ترمذی کلکتہ، ملتان، دہلی، لکھنؤ، لاہور، قاہرہ، بولان، فاس سے کل گیارہ مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ [3]

شروح شمائل النبیؐ

کتاب الشمائل کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک علمائے کرام نے اس کی بیشمار شرحیں لکھیں اور ترکی، فارسی، اردو زبانوں میں تراجم بھی ہوئے۔ ان شروح و تراجم کا مختصر جائزہ جیسا کہ " کشف الظنون "، " تاریخ الادب العربی براکلمن "، " الحطہ فی ذکر صحاح ستہ "، " سیرۃ البخاری " اور

---

[1] نواب صدیق حسن خاں : الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲۸

[2] عبدالسلام مبارکپوری : سیرۃ البخاری، خاتمہ صفحہ ۱۲۵ –

[3] براکلمن : تاریخ ادب العربی جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ –

"الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" میں مذکور ہے (لے) حسب ذیل ہے :-

۱- زہر الخمائل علی الشمائل لعلامہ جلال الدین سیوطی (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) مصر میں طبع ہو چکی ہے -

۲- شرح الشمائل لعلامہ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب القسطلانی المصری (المتوفی سنہ ۹۲۳ھ/ سنہ ۱۵۱۷ء) ؛

۳- شرح الشمائل للترمذی لعلامہ عصام الدین ابراہیم بن محمد الاسفرائینی (المتوفی سنہ ۹۴۳ھ)
یہ شرح حامل المتن ہے - ابتداء کے الفاظ " الحمد للہ الذی فضل المصطفیٰ باکرم الشمائل " ہیں - اس کا فارسی ترجمہ بھی ہو چکا ہے -

۴- اشرف الوسائل الی فہم الشمائل للشیخ شہاب الدین احمد بن الحجر الہیتمی المکی (المتوفی ۹۷۳ھ / سنہ ۱۵۶۵ء) - مصنف کا بیان ہے ، کہ حرم محترم میں بماہ رمضان مجھے اس کتاب کے درس دینے کا اتفاق ہوا تو میں نے یہ شرح سنہ ۹۴۹ھ ۳ ر رمضان المبارک کو شروع کی اور ۱۸ ر رمضان کو فراغت پائی -

---

لے حاجی خلیفہ چلپی : کشف الظنون جلد ۲ صفحات ۶-۱۰۵۹ ؛ بروکلمن : تاریخ الادب العربی جلد ۳ صفحات ۹۵-۱۹۲ ، نواب صدیق حسن خان : الحطہ فی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۳۰ ، عبدالسلام مبارکپوری : سیرۃ البخاری خاتمہ صفحات ۲۰-۱۷ ؛ سید عبدالحی : الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ؛

۵۔ مختصر اشرف الوسائل لمحمد بن احمد الحریشی۔

۶۔ تعلیقات اشرف الوسائل لاحمد بن محمد المنہوری عن نور الدین الشبراملسی (المتوفی ۱۰۸۷ھ / ۱۶۷۶ء)

۷۔ شرح منلا محمد شروانی البخاری۔ دسویں صدی ہجری میں لکھی گئی۔

۸۔ شرح الشمائل للترمذی لمصلح الدین محمد بن صلاح ابن جلال اللاری (المتوفی ۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء)۔ یہ شرح عربی میں ہے اور مصنف نے اس سے ماہ رمضان ۹۴۹ھ میں فراغت پائی۔ مصنف کی ایک دوسری شرح فارسی میں بھی ہے۔

۹۔ جمع الوسائل لملا نور الدین علی بن سلطان محمد علی القاری الهروی (المتوفی ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) ملا صاحب نے اس کے مسودہ سے مکہ مکرمہ میں ۱۰۰۸ھ میں فراغت پائی۔ حق یہ ہے کہ اس سے اعلیٰ شرح شمائل ترمذی کی کسی کے قلم سے نہیں نکلی۔ اس کی ابتداء یوں ہوتی ہے: " الحمد للہ الذی خلق الخلق و الاخلاق۔" مصطفیٰ جمعوی نے اس کو استنبول سے ۱۲۹۰ھ میں شائع کیا اور قاہرہ سے بھی ۱۳۱۷ھ میں شائع ہوئی۔

۱۰۔ الفوائد الجلیلة البہیة لعلامہ سید محمد بن قاسم الجسوس (المتوفی ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۷ء)۔ فاس سے بغیر کسی تاریخ کے۔ بولاق سے ۱۲۹۶ھ میں اور قاہرہ سے ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوئی۔ یہ شرح دراصل "جمع الوسائل" مذکور کا حاشیہ ہے لیکن یہ مذاق محدثین کے خلاف ہے۔

۱۱۔ شرح الشمائل للترمذی للشیخ عبدالرؤف المناوی (المتوفی ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء)۔ ابتداء کے الفاظ "شمائل اہل الفضل فی القدیم" ہے۔ علامہ مناوی کا بیان ہے کہ شارحین شمائل میں علامہ اسفرائینی کی شرح سب پر فائق ہے۔ لیکن علامہ اسفرائینی نے اس شرح میں احتمالات عقلیہ سے بہت کام لئے۔ حالانکہ یہ فن فنون نقلیہ سے ہے حتیٰ کہ یہ ان کے سقطات سے گنا گیا۔ پھر ابن حجر مکی ہیتمی نے ایک طویل شرح لکھی جو اسفرائینی کی شرح سے ماخوذ ہے لیکن ابن حجر نے اصل کتاب کے ماخذ ہی کو مسخ کر دیا۔ اس کے علاوہ تعصب ان کا ایک طبعی خاصہ ہے اس لئے یہ دونوں شرحیں چنداں مقبول نہ ہوئیں تو میں نے دونوں کی تلخیص کی اور فوائد ضروریہ اضافہ کئے۔ یہ شرح قاہرہ سے ۱۳۱۷ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

۱۲۔ تہذیب الشمائل للشیخ محمد بن عمر بن حمزۃ الانطاکی۔ مصنف نے ملا علی قاری کی شرح مذکور کو مہذب کر کے روم میں سلطان بایزید خاں کے دربار میں تحفہ پیش کیا۔

۱۳۔ شرح الشمائل للترمذی لشمس الدین مولوی محمد الحنفی۔ مصنف نے ۹۲۶ھ میں اس شرح سے فراغت پائی۔

۱۴۔ شرح الشمائل للترمذی لمحمد عاشق بن عمر الحنفی (المتوفی ۱۰۳۲ھ) علامہ موصوف نے اس شرح میں لکھا ہے کہ میں نے شمائل الترمذی کو اپنے شیخ عبداللہ الانصاری المعروف بمخدوم الملک بن شمس الدین سے روایت کیا ہے اسی سے مولانا احمد علی صاحب نے شمائل کو محشی کیا ہے۔ مولانا

شمس الحق صاحب کے کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

۱۵۔ بہجۃ المحافل واجمل الوسائل تالیف اللعانی (المتوفی ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء)۔

یہ شمائل الترمذی کے راویوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

۱۶۔ شرح الشمائل۔ لیکاز المکی۔

۱۷۔ المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ۔ للعلامہ شیخ ابراہیم الباجوری (المتوفی ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء)۔ یہ مختصر اور مفید شرح ہے۔ بولاق سے پانچ مرتبہ اور قاہرہ سے چار مرتبہ شائع ہوئی ہے۔

۱۸۔ الدر الفضائل فی شرح الشمائل۔ للشیخ علیم الدین القریشی القنوجی۔

۱۹۔ کشف الفضائل۔ لنور بن محمد بن حسین الکاشانی۔

۲۰۔ المواہب المحمدیہ۔ للشیخ سلیمان بن عمر الجمل۔ ۱۱۹۶ھ میں تصنیف ہوئی۔

۲۱۔ تنجیح الوسائل۔ لابی القاسم بن محمد البرکات بن احمد بن عبد الملک بن مخلص۔

۲۲۔ شرح الشمائل۔ لابی عبد اللہ محمد بن احمد البنانی فرعون (المتوفی ۱۲۶۱ھ)

۲۳۔ شرح الشمائل۔ لنسیم الدین محمد میرک شاہ۔ تویں صدی ہجری کے وسط میں لکھی گئی۔

۲۴- اکمل الوسائل للرجال الشمائل — الشیخ عبدالوہاب بن محمد غوث الشافعی المدراسی —

۲۵- ترجمۃ الرجال الشمائل — سید امیر علی لکھنوی —

۲۶- شرح الشمائل — مصنف نامعلوم (بنکیپور)

۲۷- شرح الشمائل فارسی — لحاجی محمد کشمیری (المتوفی ۱۰۰۶ھ / ۱۵۹۷ء)

۲۸- شرح الشمائل فارسی — مصنف نامعلوم (بنکیپور)

مختصرات الشمائل

۱- کتاب الشیم — لاسمٰعیل بن غنیم الجوہری — یہ "شرح حال الاصطفاء" کے ساتھ ملتی ہے —

۲- الحلیۃ المبارکہ — (بوہار)

۳- صلات الشمائل وکنز الخصائل — لمحمد بن خلیل الحکیم —

تراجم

۱- ترجمہ شمائل زبان ترکی — احمد بن خیر الدین الایدینی المشہور بخواجہ اسحٰق آفندی (المتوفی سنہ ۱۲۰ھ)

۲- نظم شمائل بزبان ترکی — مصطفیٰ ابن حسین الحلبی ۱۱۰۸ھ میں نظم سے فراغت پائی -

۳- بہارِ خُلد دکافی ، — اُردو میں دلچسپ نظم ہے - اور طبع ہو کر شائع ہے +

دیگر تصانیف

"الجامع الصحیح" اور "شمائل النبیؐ" کے علاوہ امام ترمذیؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف قابل ذکر ہیں :-

۱- **کتاب العلل الکبیر** فن علل حدیث پر امام ترمذیؒ کی بےلاجواب تصنیف ہے - محدثین کی اصطلاح میں علتِ حدیث ان وجوہات و اسباب کو کہتے ہیں جو نہایت خفی اور ہوتے ہیں - یہ علم علوم حدیثیہ میں نہایت دقیق اور مشکل سمجھا گیا ہے تاہم امام ترمذیؒ نے اس فن پہ بھی قلم اٹھایا اور یہ تصنیف معرض وجود میں آئی - اس کتاب کی فضیلت میں مولانا مبارکپوری لکھتے ہیں :-

"و من تصانیفه العلل الکبیر وھو مستغن عن التوصیف وفیه معظم النقل عن شیخه البخاری -"

(اور اس کی تصانیف میں سے ایک العلل الکبیر ہے جو تعریف سے بے نیاز ہے اور اس میں بیشتر حصہ امام بخاریؒ سے نقل کیا گیا ہے) [1]

مولانا عبدالسلام مبارکپوری اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں :-

"امام ترمذی کی کتاب العلل، اپنے باب میں بے مثل کتاب ہے فن حدیث کے طالبین کے لئے اس کا حفظ ضروریات میں سے ہے زیادہ تر حصہ اس کا امام بخاریؒ سے استفادہ کیا گیا ہے جس کو خود امام ترمذی نے لکھا ہے -" [2]

---

[1] عبدالرحمٰن مبارکپوری : مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۸ [2] عبدالسلام مبارکپوری سیرۃ البخاری ، خاتمہ صفحہ ۱۴ -

۲- **کتاب العلل (الصغیر)** فن علل حدیث پر آپ کی یہ دوسری لیکن مختصر تصنیف ہے جو آپ کی کتاب "الجامع الصحیح" کے آخر میں شامل ہے۔ اس کتاب کے متعلق مولانا مبارکپوری لکھتے ہیں:-

"......وفی اخرہ کتاب العلل وقد جمع فیہ فوائد حسنۃ لا یخفی قدرھا علی من وقف علیھا"

(...... اور (کتاب الجامع) کے آخر میں کتاب العلل ہے اور اس میں بہترین فوائد جمع کیے گئے ہیں جو اس کا مطالعہ کرے اس پر اس کے فوائد پوشیدہ نہیں ہیں) [۱]

۳- **کتاب الفقہ** علم فقہ پر آپ کی یہ تصنیف ہم تک نہیں پہنچی۔ تاہم اس کا ذکر مختلف تذکروں میں ملتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۴- **کتاب التاریخ** آپ کی اس کتاب کا ذکر بھی کتب سیر میں ملتا ہے لیکن یہ ہم تک نہیں پہنچی سمعانی اور ابن خلکان نے "صنف کتاب الجامع والتواریخ" (کتاب الجامع اور تاریخ پر کتب تصنیف کیں) [۲] کے الفاظ لکھے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تاریخ کے موضوع پر امام ترمذیؒ کی ایک سے زائد تصنیف ہونگی۔

۵- **کتاب الاسماء والکنی** فن رجال پر امام ترمذیؒ کی یہ تصنیف بھی بظاہر ہم تک نہیں پہنچی، لیکن

---

[۱] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۶۸

[۲] سمعانی: کتاب الانساب صفحہ ۱۰۶ د ابن خلکان: وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ ؛

اس کا ذکر کتب سیر میں موجود ہے جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔

۶- کتاب الزہد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصنیف کا ذکر بھی کتب سیر میں ملتا ہے لیکن یہ بھی ہم تک نہیں پہنچی۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :-

"ولابی عیسیٰ کتاب الزھد مفرد لم یقع لنا"

(ابو عیسیٰ کی کتاب الزہد ہے جو ہم تک نہیں پہنچی) [1]

۷- کتاب التفسیر اس کتاب کا حوالہ صرف مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری نے دیا ہے اور لکھا ہے :-

"وله كتاب جليل في التفسير" (اور اس کی تفسیر میں بھی ایک عمدہ کتاب ہے) [2]

۸- کتاب الاربعین آپ کی تصانیف میں چہل حدیث کے اس مجموعے کا ذکر صرف براکلمن نے کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے :-

"کتاب الاربعین، المنسوب الی الترمذی فھو لابی الفضل العراقی۔"

(کتاب الاربعین امام ترمذی کی طرف منسوب ہے لیکن یہ ابو الفضل عراقی کی تصنیف ہے) [3]

۹- کتاب نوادر الاصول براکلمن نے آپ کی تصانیف میں اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ برلن سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہو چکی ہے۔ [4] لیکن مولانا

---

[1] ابن حجر عسقلانی: تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۹ - [2] عبدالرحمٰن مبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۱۸ - [3] و [4] - براکلمن: تاریخ الادب العربی جلد ۳ صفحہ ۱۹۵ ؛

عبدالرحمٰن مُبارکپوری نے یہی کتاب حکیم حافظ ابوعبداللہ محمد بن علی بن الحسن بن بشر الزاہد الترمذی سے منسوب کی ہے۔[1]

۱۰۔ **کتاب تسمیۃ اصحاب رسول اللہؐ** امام ترمذی رضؒ کی اس تصنیف کا ذکر بھی براکلمن نے ہی کیا ہے جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔

---

[1] مولانا عبدالرحمٰن مُبارکپوری: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۷۱؎

کتابیات

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	ادارہ اشاعت	سن اشاعت
۱	مترجم شاہ رفیع الدین رح	القرآن	تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور	
۲	۔۔ ۔۔ ۔۔	اردو انسائیکلوپیڈیا	پنجاب یونیورسٹی	۱۹۶۱ء
۔۔	۔۔ ۔۔ ۔۔	آف اسلام	لاہور۔	
۳	امام ابو عیسیٰ	جامع الترمذی مع	مطبع مجتبائی دہلی	
۔۔	ترمذی رض	نفع قوت المغتذی)	۔۔ ۔۔ ۔۔	
۴	السمعانی	کتاب الانساب	گب میموریل لنڈن	۱۹۱۲ء
۵	ابن خلکان	وفیات الاعیان	المیمنیہ مصر	۱۲۹۹ھ
۶	احمد بن علی بن	تہذیب التہذیب	دائرہ المعارف	۱۳۲۶ھ
۔۔	حجر عسقلانی	۔۔ ۔۔	حیدرآباد۔ دکن	۔۔
۷	احمد بن علی بن	تقریب التہذیب	دائرہ المعارف	۔۔
۔۔	حجر عسقلانی	۔۔ ۔۔	حیدرآباد۔ دکن	۔۔
۸	حافظ شمس الدین	تذکرۃ الحفاظ	مجلس دائرۃ المعارف	۱۳۳۳ھ
۔۔	ذہبی۔	۔۔ ۔۔	النظامیہ فی الہند	۔۔
۹	حافظ شمس الدین	میزان الاعتدال	مصر	۱۳۲۵ھ
۔۔	ذہبی۔	۔۔ ۔۔	۔۔ ۔۔ ۔۔	۔۔
۱۰	خیر الدین الزرکلی	قاموس الاعلام (ترکی)	استانبول۔ ترکی	۔۔
۱۱	یاقوت حموی	معجم البلدان	مطبوعہ بیروت	۱۳۷۵ھ
۔۔	۔۔ ۔۔ ۔۔	۔۔ ۔۔	۔۔ ۔۔ ۔۔	۱۹۵۶ء
۱۲	جلال الدین سیوطی	تدریب الراوی	خیریہ مصریہ	۱۳۰۷ھ

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	ادارہ اشاعت	سن اشاعت
۱۳	احمد محمد شاکر	شرح جامع ترمذی	مطبعۃ مصطفیٰ البابی	۱۳۵۷ھ
..	.. ..	.. .. ..	الحلبی و اولادہ قاہرہ	۱۹۳۸ء
۱۴	طاش کبری زادہ	مفتاح السعادۃ	مصر	..
۱۵	ابن ندیم	الفہرست	مصر	..
۱۶	ابن العماد الحنبلی	شذرات الذہب	الازہر۔ مصر	۱۳۵۰ھ
۱۷	سرکیس	معجم المطبوعات	مطبعۃ سرکیس بمصر	۱۳۴۶ھ
..	.. ..	.. .. ..	.. .. ..	۱۹۲۸ء
۱۸	حاجی خلیفہ چلپی	کشف الظنون	وکالۃ المعارف	..
..	.. ..	.. .. ..	استانبول	..
۱۹	عبدالرحمٰن مبارکپوری	مقدمہ تحفۃ الأحوذی	جید برقی پریس دہلی	۱۳۵۹ھ
۲۰	ولی الدین ابو	اکمال فی اسماء	مطبع محمدی	..
..	عبداللہ الخطیب	الرجال	لاہور۔	..
۲۱	ابن خطیب الدھشہ	تحفۃ ذوی الارب۔	ای۔ جے برل۔	۱۹۰۵ء
..	.. .. ..	.. .. ..	لیڈن	..
۲۲	شاہ ولی اللہ	رسالہ انصاف	دہلی۔	..
..	دہلوی۔	..	.. ..	..
۲۳	نواب صدیق حسن	الحطہ فی ذکر صحاح	مطبع نظامی کانپور	..
..	خان۔	ستہ۔ ۔	.. .. ..	۱۲۸۳ھ
۲۴	شاہ عبدالعزیز	بستان المحدثین	مطبع مجتبائی دہلی	..
..	دہلوی۔	(فارسی)	.. .. ..	..
۲۵	کارل بروکلمن	تاریخ الادب العربی	دارالمعارف	۱۹۶۲ء
..	.. ..	.. ..	بمصر	..

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	ادارہ اشاعت	سن اشاعت
۲۶	محمد عبد الباقی فواد	مفتاح کنوز السنۃ	مطبعۃ مصر (دائرہ المعارف اسلامیہ)	۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء
۲۷	الصلاح الصفدی	نکت الہمیان	مصر	..
۲۸	ابن الاثیر	تاریخ الکامل	مصر	..
۲۹	ابن الاثیر	اللباب فی تہذیب الانساب	مکتبۃ القدسی قاہرہ	۱۳۵۷ھ
۳۰	شرح الشمائل	ملا علی قاری	مصر۔	..
۳۱	محمد جلال الدین قاسمی۔	قواعد التحدیث	دار الاحیاء الکتب العربیہ۔ مصر	۱۳۸۰ھ ۱۹۶۱ء
۳۲	حافظ ابن کثیر	اختصار علوم الحدیث	محمد علی صبیح و اولادہ بمیدان الازہر	۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء
۳۳	نواب محمد علی خان نصیب	مجموعہ شروح اربعہ الترمذی	مطبع نظامی۔ کانپور	۱۳۰۶ھ
۳۴	ابن حوقل	کتاب صورۃ الارض	بمطبعۃ بریل۔ لیدن	۱۹۴۹ء
۳۵	محمد عبد السلام مبارکپوری	سیرۃ البخاری (اردو)	اسرار کریمی پریس الہ آباد	.. ۱۳۴۷ھ
۳۶	مولانا قطب الدین دہلوی۔	کتاب مظاہر حق۔	نولکشور۔ لکھنؤ۔	..
۳۷	ملا علی قاری	شرح شمائل ترمذی	نولکشور۔ لکھنؤ	..
۳۸	شیخ محمد عبد العزیز النجدی	مفتاح السنۃ	مطبعۃ مصطفیٰ البابی	۱۳۵۰ ۱۹۳۱ء

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب	ادارہ اشاعت	سن اشاعت
۳۹	سید عبد الحئی	الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند	.. .. ..	..
۴۰	شیخ عبد الحق دہلوی	مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح	مکتبہ اسلامیہ - لاہور	۱۳۶۵ھ
۴۱	امام ابو داؤد	السنن	مطبع محمدی لاہور	۱۸۸۷ء
۴۲	جی لیسٹریج	دی لینڈ آف دی ایسٹرن کیلیفیٹ	کیمبرج یونیورسٹی پریس -	۱۹۳۱ء

سلطانہ پریس لاہور -

امام ترمذیؒ

(سوانح و تصانیف)

امتیاز احمد سعید

مکتبہ عثمانیہ
۱۹- اُردو بازار ــــــ لاہور